Alsera

ڈاکٹر نثار احمد☆

مخالفت قریش

نوعیت، اسباب، احوال، تاریخ

(۱)

سیرت رسول عربی، قریشی، ہاشمی ومطلبی، فداہ امی وابی اور مخالفت قریش دونوں لازم وملزوم ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ تذکرۂ نبوی ﷺ ہو اور مخالفت قریش کا ذکر نہ ہو۔ پیغام اسلام، دعوت حق، اور تبلیغ دین کا بیان ہو اور قریشی رویے، ان کے ظالمانہ سلوک، اور رفاسقانہ طرز عمل سے تعرض نہ کیا جائے۔

مخالفت وعداوت قریش، تاریخی طور پر دو مراحل پر مشتمل ہے۔ مخالفت قریش کے پہلے مرحلے کا بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آغاز ہوتا ہے اور یہ مرحلہ آپ ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پہلے تک پوری شدت سے جاری رہتا ہے۔ یعنی عہد نبوی ﷺ کا ابتدائی تیرہ سالہ مکی عہد (۶۱۰ء تا ۶۲۲ء) اس میں داخل ہے۔ سیرت نگاران ختم الرسل نے مخالفت قریش کے حوالے سے عام طور پر اس دور کو زیادہ اہمیت دی ہے اور اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ سیرت النبی ﷺ پر لکھی جانے والی شاید ہی کوئی کتاب اس پر بحث سے، کوئی تحریر اس کے بیان سے، اور کوئی تصنیف اس کے ذکر سے خالی ہو۔ یہ عہد نہ صرف یہ کہ نزول قرآن، آغاز اسلام، اور حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے بلکہ اسلامی تاریخ کی اصل اور بنیادی دور ہے۔ انسانیت کا شاہراہ ہدایت پر نیا سفر اسی عہد میں شروع ہوا، اسلامی معاشرے کی داغ بیل اسی زمانے میں پڑی، نئی شریعت کا آغاز، نئی امت کی تشکیل اور نئی تہذیب کی اساس اسی دوران استوار ہوئی۔

مخالفت قریش کا دوسرا دور جسے عام طور پر پہلے دور کی طرح اہمیت نہیں دی گئی ہجرت مدینہ کے فوراً بعد شروع ہوا، اور بالآخر فتح مکہ کے ساتھ ہی اس کا اختتام ہو گیا۔ یہ گویا (۱ھ تا ۸ھ/۶۲۲ء تا ۶۳۰ء) آٹھ سال پر محیط ہے۔ یہ دور عہد ماقبل سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ہجرت بجائے خود ترقی دین متین

☆سابق رئیس کلیہ فنون وصدر شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

اور سرفرازئ ملت کا باعث ہوئی۔ سرورِ دنیا و دیں □ اہل مدینہ کی دعوت پر مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں کی کایا پلٹ گئی۔ چھوٹی سے بستی نے بہ تدبیرِ نبوی □ اور بہ تائید الٰہی ایک مجتمع مملکت کی شکل اختیار کر لی۔ مسلمانوں کا ضعف قوت میں بدل گیا، اور وہ قریش کے دست تظلم سے نجات پا گئے۔ آنے والا ہر دن اہل اسلام کے لئے کامیابی و کامرانی لے کر آیا۔ دعوت حق نے عرب و عجم کی سرحدیں پار کر لیں۔ قریش کی جنگجویانہ کاروائیاں، ان کی سازشیں، یہود و مشرک قوتوں سے ان کا گٹھ جوڑ، اور انفرادی و اجتماعی ہر طرح کی جارحیت، نہ اس ہاشمی و مطلبی □ کا بال بیکا کر سکی، نہ مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کا ناپاک قریشی منصوبہ بروئے کار آ سکا، نہ آوازِ حق کو بندگانِ الٰہی کی سماعتوں تک پہنچنے سے وہ روک سکے۔ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں جو مسلمان اپنے سینوں میں اسلام کی امانت لئے آباد تھے، ان کا بھی کفار کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اور جب ۸ھ میں مدنی آقا ۱۰ ہزار قدسیوں کے جلو میں پیغمبرانہ شان و شکوہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں جلوہ آرا ہوا تو سارے قریش مکہ سرنگوں ہو گئے، اور ان کا گرنا تھا کہ ذرا سی مدت میں سارا عرب گلدستۂ اطاعت لئے آستانہ رسالت مآب □ پر حاضر ہو گیا۔ البتہ تکمیل دین، اور اتمام نعمت اسلام کی منزل اور رکار رسالت ختم المرسلین کا کمال ابھی باقی تھا۔

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ مخالفت قریش کا آغاز و اختتام ۲۱ سالہ مدت کا احاطہ کرتا ہے۔ جب کہ آنحضور □ کے کار نبوت و رسالت کا دائرہ ۲۳ سال پر محیط ہے، اور نزول قرآن کا سلسلہ بھی ۲۳ سال تک جاری رہا۔ اور یہ بھی معلوم و معروف ہے کہ حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی ولادت اور بعثت مبارکہ قریش میں ہوئی، آپ □ کی دعوت اور قرآن کے اولین مخاطب قریش ہی تھے۔ حاملان دین متین پہلے پہل وہی بنے، اسلامی تاریخ کی نقش گری ان ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ اس لئے نزول قرآن کی تاریخ، سیرت امام الانبیاء علیہا طیب التحیۃ والثناء کی تفصیل اسلامی تاریخ کے ارتقا اور مسلمانوں کی منزل بہ منزل پیش قدمی جاننے کے لئے قریش کا حوالہ اور مخالفت قریش کا مطالعہ ناگزیر حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن افسوس کہ مخالفت قریش کی ایسی مربوط تاریخ سامنے نہیں آئی جو مخالفت قریش کے دونوں ادوار عروج و زوال پر حاوی ہو اور جس کے پیش نظر قریش کی نوعیت و اہمیت، آغاز، اسباب، احوال، اثرات، اور اس کے انجام کو سمجھا جا سکے۔ یہ صحیح ہے کہ مخالفت قریش کا بحیثیت موضوع مطالعہ مجرد طور پر نہیں ہو سکتا، کیونکہ مخالفت قریش اور دعوت حق کا آغاز و ارتقا الگ الگ نہیں ہوا، بلکہ باہم مربوط و مسلسل ہوا۔ تاہم بادل الگ گرجتے، برستے ہیں اور قوس قزح کے دھنک رنگ الگ نمایاں ہوتے ہیں۔ چنانچہ

بعض ضمنی مباحث سے تعرض بھی ناگزیر ہوگا، مثلاً دعوت نبوی کے انداز و اطوار کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام کی رفتار، مخاطبین کے رویے اور اس عمومی تاثر کا تجزیہ کہ ہادیٔ اعظم □ کی شبانہ روز مساعی جمیلہ کے باوجود دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے نفوس قدسیہ گنتی کے چند لوگ تھے (۱)۔ یا ان کی تعداد بہت کم یا محدود تھی (۲)۔ یا مثلاً مخالفت قریش کے اولین ۱۳ سالہ مکی دور کے کئی مباحث ایسے ہیں جنہیں تحقیق و تمحیص کے باب میں جتنی اہمیت حاصل ہونی چاہئے تھی وہ میسر نہ آسکی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مختلف النوع موضوعات اگرچہ مدتوں سے قبول عام کا درجہ رکھتے ہیں اور کم از کم اردو سیرت نگاری میں گذشتہ صدی سے نقل در نقل کی صورت میں برابر جلوہ گر ہو رہے ہیں، لیکن انہیں نئی معلومات کی روشنی میں پھر سے نہیں جانچا گیا، نہ مآخذ تاریخ اسلامی کے تناظر میں تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھا گیا، اور نہ ان میں پنہاں تضادات و تسامحات کو دور کیا گیا۔ مثلاً دعوت نبوی کا ابتدائی تین سالہ عہد یا عام خیال کے مطابق خفیہ تبلیغ کا زمانہ (جسے حالیہ برسوں میں ہی موضوع تحقیق بنایا گیا ہے اور جس کے نتیجے میں بہت سی گنجلک لیے باتیں صاف ہوگئی ہیں۔ پیغام رسالت کی وسعتیں، دعوت حق کے اولین مخاطبین اور مخالفین، اشاعت اسلام کی رفتار، خاندان بنو ہاشم کا مقاطعہ یا محصوری؟ شعب ابی طالب کا محل وقوع، ہجرت حبشہ و مدینہ کے اصل محرکات وغیرہ وغیرہ (۳)۔

(۲)

ہماری معلومات کی حد تک مولانا شبلی نعمانی علیہ الرحمہ پہلے مصنف اور سیرت نگار ہیں جنہوں نے اردو زبان میں آج سے تقریباً ایک صدی پہلے ۱۹۰۵ء میں مخالفت قریش کے اسباب کو بطور عنوان لکھا اور سنجیدہ بحث و نظر کے ذریعے اسے قرار واقعی اہمیت عطا کی (۴)۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں سیرت نگاری کی تاریخ کافی پرانی ہے، اور مولانا شبلی رحمہ اللہ سے پہلے بھی حیات و ذکر رسول □ اور متعلقات کتب و رسائل کی اشاعت ہو چکی تھی، لیکن مولانا شبلی کو یہ امتیاز خاص حاصل ہے کہ انہوں نے میلاد ناموں، سوانحی تذکروں، اور قصص و قصص سے آگے بڑھ کر تحقیق و تدقیق کے جھنڈے گاڑے اور سیرت کو واقعی سیرت بنا کر ایک بزرگ علم کی حیثیت سے دنیا میں متعارف کرایا (۵)۔ چنانچہ ہمارے اردو سیرت لٹریچر میں مولانا شبلی کی کتاب سیرۃ النبی □ کو بلا شبہ ایک لازوال علمی کارنامے کی حیثیت حاصل ہے۔ اور زبان، بیان اور شان جامعیت میں اس کا مقام تمام ہم عصر تحریروں میں بہت بلند ہے۔

مولانا شبلی کے زمانے میں اور پھر ان کے بعد سے اب تک سیرت نگاران رسول □ کا

لامتناہی سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے اور یقیناً تا ابد روز افزوں رہے گا۔ لہٰذا ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ہاں ممتاز و مشہور علماء و فضلاء، مورخ و سیرت نگار، محققین و مصنفین کی موقر کتابوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ موضوع زیر بحث یعنی ''مخالفت قریش کے اسباب وعوامل'' کو بہت زیادہ درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے چند مثالوں کا ذکر مناسب ہوگا۔

مولانا شبلی کے ایک ہم عصر پروفیسر سید نواب علی (۶) نے اپنی کتاب ''سیرت رسول اللہ'' میں تبلیغ کے مشکلات (۷) کے تحت تقریباً ایک پیراگراف میں وجوہ مخالفت قریش پر روشنی ڈالی ہے (۸)۔ تاہم اس میں مولانا شبلی کے بیان پر کوئی اضافہ نہیں۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ''رحمۃ للعالمین'' میں قریش کی مخالفت کے زیر عنوان کوئی بحث تو نہیں کی، لیکن تقریباً پندرہ سطروں میں وجوہات بیان کر دی ہیں (۹)۔ مولانا شبلی پر اضافہ ان کے ہاں بھی نہیں پایا جاتا۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تصنیف اس بحث سے خالی ہے (۱۰)۔ مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری کی کتاب ''اصح السیر'' اس موضوع سے تعرض نہیں کرتی (۱۱)۔ جدید مصنفین میں سے ابوالکلام آزاد (۱۲)، ڈاکٹر محمد عزیر (۱۳)، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر (۱۴)، مولانا وحید الدین خاں (۱۵)، ڈاکٹر خالد علوی (۱۶)، استاد محمد حسین ہیکل (۱۷)، وغیرہ کی کتابوں میں بھی مخالفت قریش پر بحث نہیں کی گئی۔ ہاں البتہ مولانا جعفر پھلواری (۱۸)، مولانا ابوسلیم محمد عبد الحی (۱۹)، اور جناب نعیم صدیقی (۲۰) نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ مولانا وحید الدین خاں نے اس موضوع پر مختصر گفتگو ''پیغمبر انقلاب'' میں حصہ دوم کے تحت ''دعوت کا رد عمل'' میں کی ہے۔ یہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی کتاب ''سیرت سرور عالم'' (۲۱) اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس میں مولانا موصوف نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے اور نسبتاً زیادہ وسیع تناظر میں ''دعوت اسلامی کی حقیقی نوعیت۔ مشرکین کی عداوت کے اسباب اور ان کی ناکامی کی وجوہ'' کے زیر عنوان مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کیا ہے (۲۲)۔ ایک اور مصنف غلام احمد پرویز نے اپنی کتاب ''معراج انسانیت'' میں آویزش حق و باطل اور استقامت کے تحت اپنے مخصوص انداز فکر و پیشکش کے ساتھ مخالفت قریش اور اس کے متعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ (۲۳)

یہ مختصر جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ اپنے موضوع پر علمی و تحقیقی پیش رفت کے لئے ہمیں اصلاً علامہ مولانا شبلی کے بیان کو ہی مدار بحث بنانا ہوگا۔

(۳)

مخالفت قریش کے اسباب پر جو بحث مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں کی ہے (۲۴) اسے بہ تمام وکمال نقل کرنا تو ظاہر ہے، غیر ضروری ہے۔ہاں البتہ بطور خلاصہ چند الفاظ کی ناگزیر رد وبدل اور اصل نکتے کو نمایاں کرنے کے لئے، ان کے بیان کردہ اسباب کو مندرجہ ذیل ترتیب سے پیش کیا جاسکتا ہے:

ا۔آبائی رسم وعقائد کے خلاف تحریک

ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم وعقائد کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کردیتی ہے (۲۵)۔عرب (قوم بھی مختلف نہ تھی، وہاں کے لوگ) مدت دراز سے بت پرستی میں مبتلا تھے۔نیز اس وقت خانہ کعبہ تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز (مکہ میں قائم) تھا۔جب کہ ان کا خدائے اعظم ہبل تھا۔(۲۶)

۲۔عزت، جاہ واقتدار کو خطرہ

اپنی عزت وعظمت، جاہ واقتدار اور عالمگیر اثر تحلیل ہو جانے کا بھی قریش کو خدشہ تھا (۲۷)۔ کیونکہ قریش کو خانہ کعبہ کے سبب خاندان الٰہی جیسا تقدس حاصل تھا۔وہ کعبے کے مجاور اور کلید بردار تھے جس کی وجہ سے تمام عرب میں گویا ان کی مذہبی حکومت و سیادت مسلم تھی (۲۹)۔کعبے کا انتظام وانصرام قریش کے مختلف خاندانوں کے سپرد تھا۔جس کے نگران وذمے دار قریش کے ایسے روسائے اعظم تھے جن کی عظمت واقتدار کا اثر تمام مکہ پر قائم تھا (۳۰)۔اور یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی۔ قریش کا یہ خیال بھی تھا کہ نبوت کا منصب اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکے یا طائف کے کسی رئیس کو (۳۱) (ملنا چاہئے تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں بڑا صاحب اولاد اور زیادہ دولت مند ہوتا)

۳۔عیسائیت سے قریش کی نفرت

قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی۔کیونکہ ابرہہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا تھا۔قریش عیسائیوں کے مقابلے میں پارسیوں (فارسیوں/ایرانیوں) کو زیادہ پسند کرتے تھے۔اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانے میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ چنانچہ قریش کو خیال ہوا (ہوگا) کہ آنحضرت □ درپردہ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں (۳۲)۔

۴۔ بنو ہاشم و بنو امیہ کی خاندانی رقابت

ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یک دیگر تھے (۳۳)۔ آنحضرت□ کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (بنو ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلے نے آنحضرت□ کی مخالفت کی (۳۴)۔ بنو امیہ کے بعد جس قبیلے کو بنو ہاشم کی برابری کا دعویٰ تھا وہ بنو مخزوم کا تھا (۳۵)۔

۵۔ بد اخلاقیوں کی پردہ دری

ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بد اخلاقیوں کے مرتکب تھے (۳۶)۔ (از روئے قرآن) وہ جھوٹے، جھوٹی قسمیں کھانے والے، بدگو، بدخو، چغل خور، عیب جو، بخیل و حاسد تھے۔ کبر و غرور، نخوت دولت و اقتدار کے رسیا اور شراب و کباب کے بہ کثرت عادی تھے (۳۷)۔ قرآن میں ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوئی تھیں گو کہ ان آیات کا طریقہ بیان عام ہوتا تھا (اور نام تو نہ لیا جاتا تھا تب بھی) جاننے والے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے (۳۸)۔

۶۔ معبودان باطل کی بیخ کنی

مخالفت کی سب سے بڑی وجہ جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا۔ یہ تھا کہ جو معبودان باطل (بتوں کی شکل میں عموماً) سینکڑوں برس سے (اہل عرب کے) حاجت روائے عام تھے اسلام ان کا نام و نشان مٹانا چاہتا تھا (۳۹)۔

مولانا شبلی نعمانیؒ کے مندرجہ بالا اسباب ستہ میں سے پہلے، دوسرے، پانچویں اور چھٹے یعنی اسباب اربعہ کی تائید و توثیق تو بڑی حد تک اسلامی تاریخ کے قدیم و جدید اور ابتدائی و ثانوی مآخذ سے اور خود قرآن حکیم سے بھی ہوتی ہے۔ جو اسلامی تاریخ کا پہلا مآخذ، ہم عصر شہادت، نص قطعی، حیات سرور کونین اور کارنامہ ہائے رسالت کا پہلا بیان، ظاہر و باطن، داخل و خارج، ہر اعتبار سے حق اور سچ، اور دنیا میں پایا جانے والا مستند ترین ذریعہ معلومات ہے۔ اسی لئے آبائی رسم و عقائد کے خلاف تحریک، عزت و جاہ و اقتدار کو خطرہ، بد اخلاقیوں کی پردہ دری، اور معبودان باطل کی بیخ کنی کے زیر عنوان اسباب کے حوالے

o\Alsera

سے زیادہ قیل و قال اور بحث و مباحثہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ ان میں سے دو اسباب، یعنی ایک عیسائیت سے قریش کی نفرت اور دوسرے بنو ہاشم و بنو امیہ کی خاندانی رقابت بہت کچھ محل نظر ہیں، اور قرآن و تاریخ کی روشنی میں ظاہر ہونے والے حقائق سے ان کی تصدیق نہیں ہوتی، بلکہ برعکس صورت حال سامنے آتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک بہت خاص اور بنیادی سبب جو نہ صرف مولانا شبلی کے ہاں مذکور نہیں بلکہ جس کی طرف عموماً توجہ نہیں دی گئی، حالانکہ وہی سبب اصل کارفرما حیثیت رکھتا ہے، اور جو آپ □ کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہوا، اور ہر ایک کے جذبات کو برانگیختہ اور اس جاہلی معاشرے کے بڑوں کو تیخ پا کرنے کا باعث ہوا۔ اور جس کے نتیجے میں مخالفت کی آگ ہر طرف بھڑک اٹھی۔ اس سبب کی نشاندہی ہم آئندہ صفحات میں مناسب موقع پر کریں گے۔

(۴)

اب آگے بڑھنے سے پہلے اور اسباب مخالفت قریش پر براہ راست گفتگو سے قبل چند ایسے نکات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے جو نہ صرف یہ کہ اصل موضوع کے مالہ و ماعلیہ کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہیں، بلکہ جن کو نظر انداز کرنے سے مخالفت و عداوت کی نمو کا پتہ نہیں چل سکتا۔

۱۔ دعوت اسلام اور نبوت و رسالت کے حوالے سے حضور اکرم □ اور دیگر اہل ایمان سے مخالفت قریش کا زمانہ آغاز بعثت (انبوی/۱۳ق ھ/۶۱۰ء) سے فتح مکہ (۸ھ/۶۳۰ء) تک ہے۔ یعنی تعلقات کا یہ دور خاص کم و بیش بیس سالوں پر محیط ہے۔ اس لئے تبلیغ رسالت محمدی (□) کے ابتدائی تیرہ سالہ مکی عہد (بعثت تا ہجرت/ ۱تا ۱۳ نبوی/ ۶۱۰ء تا ۶۲۲ء) میں مخالفت قریش اور اس کے اسباب کا مطالعہ دراصل پورے کل کا ایک جزو (اگرچہ لاینفک) ہے۔ یہ نکتہ اس لحاظ سے بہت قابل غور ہے کہ کہیں قریش کی طرف سے مخالفت یا ان سے مخاصمانہ تعلقات کی انتہا ''ہجرت مدینہ'' قرار نہ دے دی جائے۔ مکی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کی ہجرت اور حضور نبی کریم □ کے مدینہ منورہ میں قیام فرمانے کے بعد بھی قریش نہ صرف یہ کہ فوج کشی کرتے رہے، بلکہ اپنے ایک ایک آدمی کو قیمتی سمجھتے ہوئے یہ کوشش کرتے رہے کہ کوئی ٹوٹ ہی جائے تو اس پر عرصہ زندگی تنگ کر دیں۔ چنانچہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ جو ابو جہل کے سگے بھائی اور قدیم الاسلام تھے۔ ہجرت کے بعد مدینے چلے گئے تھے (اور ابھی قباء میں قیام فرما تھے) کہ حارث بن ہشام جو ان کے ماں جائے بھائی تھے وہ انہیں مکہ واپس لے گئے اور قید کر دیا، غزوات بدر، احد اور خندق کے بعد رہائی ملی۔ یہی سلوک سلمہ بن ہشام بن مغیرہ کے ساتھ ہوا۔ وہ بھی

مہاجرین حبشہ میں سے تھے بعد ازاں انہیں مکہ میں گرفتار کر لیا گیا اور بدر، احد اور خندق کے بعد مدینہ تشریف لا سکے (۴۰)۔ ایک اور مثال ولید بن ولید مخزومی کی ہے جنہوں نے قریش کی طرف سے جنگ بدر میں حصہ لیا، قید ہوئے اور فدیہ پر رہا ہوئے۔ بھائی چھڑا کر مکہ واپس لے جانے لگے تو انہیں راستے میں چکمہ دے کر مدینے واپس پہنچ گئے اور اسلام قبول کر لیا، ان کے اہل خاندان کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ بھائیوں نے مکر و فریب سے مکہ لے جا کر قید کر دیا (۴۱)۔

۲۔ دعوت نبوی □ اور مخالفت قریش کی تاریخ الگ الگ نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کا ظہور و وقوع ایک ہی زمانے میں ایک ساتھ ہوا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہیں۔ اس لئے دونوں (پہلوؤں) کو ایک دوسرے کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ دونوں کا نشو و نما ایک ہی سرزمین پر، ایک ہی قسم کے تمدنی، تاریخی، اور طبعی احوال و ظروف میں ہوا۔ اور عمل و رد عمل کی حدت و شدت کو دونوں طرف یکساں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مکہ میں اشاعت اسلام کے حوالے سے یہ غلط فہمی تاریخی حقائق کے خلاف ہے کہ ہجرت نبوی کے نتیجہ میں مکہ مکرمہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا تھا (۴۲)۔ یا چند کے سوا، تمام مسلمان مکہ سے چلے گئے تھے، یا اہل مکہ میں قبول اسلام کی صلاحیت باقی نہ رہی تھی، حالانکہ بقول ایک مصنف مسلمانان مکہ کی اکثریت نے ہجرت ضرور کی تھی لیکن اسلام تو وہاں سے رخصت نہیں ہوا تھا (۴۳)۔ چنانچہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے آس پاس اہل مکہ میں فروغ اسلام کا زمانہ شاندار ہے، جب کہ فتح مکہ کے ساتھ ہی پورا مکہ آستانہ اسلام پر سرنگوں ہو گیا۔

۳۔ جس طرح دعوت حق اسلام کو اپنے آغاز، شیوع اور نفوذ میں مختلف مراحل، نشیب و فراز، حالات و مسائل سے گزرنا پڑا، اس طرح مخالفت، مخاصمت، عداوت، اس کے طور طریقوں، حکمت عملی، اور اظہار، مظاہر میں بھی فرق، اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ اور حالات و معاملات میں تبدیلی کے تحت دعوت اور مخالفت، دونوں کی کیفیت و کمیت متاثر ہوتی رہی، پھر علانیہ دعوت، بہ تقاضائے رسالت ہوئی۔ انفرادی ملاقاتوں میں، دعوتوں میں، مجالس عام میں، حج کے اجتماعیت میں، گھر، بازار، خانہ کعبہ میں اور دار و گر و خیمہ و خرگاہ میں، ہر جگہ جہاں جب موقع ملتا اور جس طرح ممکن ہوتا، اللہ کا فرستادہ اعلان حق پر آمادہ رہتا۔ پھر داعی حق کا کلام (۴۴) تکلم کی تمام رعنائیوں کے ساتھ اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوحٰى (۴۵) کی نغمگی سے ہم آہنگ۔ اس کا کردار بے مثال (۴۶)، اس کا پیغام جانفزا (۴۷) اور اس کا خلوص و للّٰہیت (۴۸) مخاطب پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اور یوں دیئے سے دیا روشن ہوتا چلا گیا۔

Alsera

مخالفت قریش کا بھی ایک رنگ نہ تھا، ناروا پروپیگنڈا، کٹ حجتیاں، غنڈہ گردی، منظم متفقی محاذ، مقاطعہ اور نظر بندی (۴۹)، چھچھوری اور رذیل حرکات، اہل ایمان کی تضحیک وتذلیل، مبلغ معظم پر دست درازیاں (۵۰) یہاں تک کہ آپ (□) کی شمع حیات گل کرنے کی کوشش، یعنی مخالفت میں آخری حد تک جانے میں بھی ظالموں، کافروں، مشرکوں کو باک نہ رہا۔

دونوں قسم کے رویوں سے یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ طاقت کے استعمال سے دلوں کو فتح نہیں کیا جا سکتا۔ اور ظلم وستم کے پہاڑ جوئے ہدایت کا راستہ کھوٹا نہیں کر سکتے مگر ہاں قلب ماہیت کے لئے ''خلق عظیم'' کی نرم پھوار اور لب خلوص سے نکلا ہوا ایک بول کافی ہے۔

۴۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، اللہ کے آخری نبی اور رسول کی حیثیت سے چاردانگ عالم کے لئے بشیر ونذیر اور پوری انسانیت کے لئے آخری نجات دہندہ اور ہادی اعظم بن کر تشریف لائے (۵۱)۔ البتہ آپ کا ظہور، سرزمین عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اس لئے لامحالہ آپ □ کے لائے ہوئے دین، دعوت، پیغام کے مخاطب اول، مکہ مکرمہ اور اس کے مضافات (ام القریٰ ومن حولھا) (۵۲) کے باشندے ہونے کی حیثیت سے قریش (بطائح، ظواہر) اور ان کے غلام، موالی اور حلیف بنے (۵۳)۔ نتیجتاً اشاعت اسلام سے متاثر ہونے والے، دعوت حق کے علمبرداروں کا تعلق بھی ان ہی عناصر سے تھا، جب کہ دعوت نبوی □ کے مخالفین، پیغام رسالت سے بغض وعناد رکھنے والے اور اسلام کے اعدا بھی یہی لوگ تھے۔ یہاں بعض جدید محققین اور مستشرقین کا یہ ادعا قابل اعتنا قرار نہیں دیا جا سکتا کہ آنحضرت □ محض ایک پیغمبر تھے اور آپ کا لایا ہوا دین محض آپ کی اپنی قوم یا زیادہ سے زیادہ عربوں کے لئے تھا (۵۴)۔ یہ بات جیسا کہ ایک جدید مصنف نے درست لکھا ہے کہ سراسر غلط، گمراہ کن اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے (۵۵)۔

۵۔ قرآن کی رو سے بطور اصول انبیاء ورسل کا اولین تخاطب معاشرے کے بااثر افراد، روساء، امراء، صاحبان اقتدار، اور قوم کے سرداروں، درباریوں اور اشراف (۵۶) (یا بہ زبان قرآن ''ملاء'' ۵۷) سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی اس عنوان کے تحت کہ ''حضرات انبیائے کرام پہلے کن کو مخاطب کرتے ہیں'' لکھتے ہیں کہ حضرات انبیائے کرام سب سے پہلے قوم کے ارباب اثر کو مخاطب کرتے ہیں، اور ان کی اصلاح کو عوام کی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہیں۔ پھر وضاحت کے لئے مثالیں دیتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے خود اپنے اس خاندان کو دعوت دی جو قوم

کی مذہبی پیشوائی کی مسند پر متمکن تھا، پھر اس بادشاہ کو دعوت دی جس کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار کی باگ تھی۔اور جو اپنے آپ کو لوگوں کی زندگی اور موت کا مالک سمجھے بیٹھا تھا،حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا کہ سب سے پہلے فرعون کو مخاطب کریں (۵۸)حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنے وقت کے شہنشاہ اعظم بنوخذ نصر کو دعوت دی،یرمیاہ نبی نے شمال کے بادشاہوں پر نبوت (پیش) کی،اسی طرح نوح علیہ السلام،ہود علیہ السلام،لوط علیہ السلام،شعیب علیہ السلام،سب کی دعوتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ہر نبی علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے وقت کے ارباب اقتدار اور متکبرین کو جھنجھوڑا اور ان کے افکار و نظریات پر ضرب لگائی۔سب سے آخر میں آنحضرت □ کی بعثت ہوئی اور آپ □ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔یہ لوگ عرب کی مذہبی حکومت کے ارباب حل و عقد تھے۔اس واسطے سے سارے عرب کی اخلاقی اور سیاسی رہنمائی کر رہے تھے(۵۹)۔

پھر ہوتا یہ ہے کہ (بقول مولانا اصلاحی) جو لوگ ترتیب دعوت میں آگے ہیں،وہ قبول دعوت میں پیچھے رہ جاتے ہیں اور جو ترتیب دعوت میں پیچھے ہوتے ہیں وہ قبول دعوت میں آگے ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ بات پوری ہو کر رہتی ہے کہ"کتنے ہیں جو آگے ہیں وہ پیچھے رہ جائیں گے اور کتنے ہیں جو پیچھے ہیں وہ آگے ہو جائیں گے"(۶۰)۔

۲۔طبقہ اشراف اپنے مخصوص مفادات،ذاتی انا،ہٹ دھرمی،کبر و نخوت،غرور،و رعونت کے سبب اور اپنی جاہ و منزلت،دولت مندی،جتھا بندی کو لاحق خطرات کے پیش نظر،دعوت حق کے مقابلے میں اپنی نرالی منطق اور خود ساختہ فلسفے کے تحت،تکذیب و انکار کی روش اور تنقید و استہزا کا رویہ اختیار کرتا ہے۔اور جو اس دعوت خیر و فلاح کو قبول کر لیتے ہیں اسے ان سے خدا واسطے کا بیر،بغض و عناد ہو جاتا ہے۔ (حضور □ کے علاوہ دوسرے ہادیان برحق انبیاء و رسل کے زمانے میں بھی طبقہ اشراف الملاء کا یہی رویہ برقرار رہا)(۶۱)چنانچہ پھر اپنا غصہ اتارنے کے لئے،اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لئے،اپنے اقتدار و اختیار کی نمائش کے لئے،یا اپنی برتری و بالادستی ثابت کرنے کے لئے،یہ طبقہ مومنین،مسلمین،صادقین و صالحین کے خلاف ڈٹ جاتا ہے اور اپنے زیر اثر طبقات اور زیر تصرف افراد پر (خواہ بھائی بند،عزیز رشتہ دار ہوں یا حلیف مولیٰ،غلام)ظلم و ستم ڈھاتا ہے۔لیکن جو چوٹ وہ دوسروں کو لگاتا ہے اس کی دھمک اپنے پتھر دل پر بھی محسوس کرتا ہے،اس کے ہاتھ کا ہر وار اپنے مخالف کے جسم کو توڑتا ہے لیکن اندر سے وہ خود بھی ٹوٹتا رہتا ہے،اپنے زیر دست کو جو زک پہنچاتا ہے اس کا چرکا اس کے اوپر بھی لگتا ہے۔یہاں تک کہ کچھ ہی

عرصے میں اس کی اپنی چٹان بھی ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ یہاں قرآن عظیم کے ان سادہ الفاظ میں کیسی معنویت پیدا ہو جاتی ہے کہ

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (۶۲)

اور پتھروں میں سے تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں، اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے اس میں سے پانی، اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے۔

اور وہ جلد یا بدیر پکے ہوئے پھل کی طرح ٹوٹ کر دامان رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ میں گرتا ہے (۶۲/الف)۔

طبقہ اشراف کے انکار اور تمرد و سرکشی کے باوجود نہ تو انبیاء و رسل مایوس و دل شکستہ یا آزردہ خاطر ہوتے ہیں، نہ دعوت حق کے لئے اپنی مساعی شب و روز ترک کرتے ہیں اور دوسرے اہل ایمان بھی۔ ان کے پائے استقلال و استقامت میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوتا۔ حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام ان (اشراف و امرا) کو اولیت و اہمیت دینے کے باوجود معاشرے کے دوسرے طبقات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے (۶۳)۔ درجہ بدرجہ وہ سب تک پہنچتے ہیں، ان کے پیغام کی دسترس سے کوئی باہر نہیں ہوتا۔ وہ ایک ایک جگنو کی تلاش میں رہتے ہیں جو اندھیرے میں ذرا سا بھی اجالا کر سکے۔ اور اس کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ ہر پتنگا جلنے سے بچ جائے (۶۴)۔ پھر وہ حضرات قدس اس معاملے میں اتنے حساس، اتنے حریص، اتنے متلاشی و متمنی کہ جان جوکھم میں ڈالنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ سورۃ الشعراء میں ارشاد ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (۶۴۔ الف)

(اے پیغمبرؐ) شاید تم اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر دو گے

اور سورۃ الکہف میں فرمایا گیا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (۶۴۔ب)

Alsera

(اور آپ جو ان پر اتنا غم کھاتے ہیں) سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون (قرآنی) پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے۔

اس تفصیل کا مدعا یہ ہے کہ انکار و مخالفت کی پہل بھی طبقۂ اشراف کی طرف سے ہوتی ہے اور ظلم و ستم بھی وہی ڈھاتا ہے۔ جس کا نمایاں اظہار ۱۳ سالہ مکی عہد میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۷۔ اشاعت اسلام/ دعوت نبوی □ کے فروغ، اور مخالفت قریش کے حوالے سے ایک ایسا تاثر جو عوامی حلقوں سے نکل کر علمی حلقوں تک پہنچ گیا ہے یہ ہے کہ اسلام کے اولین پیرو، اور دعوت ہادی اعظم □ پر لبیک کہنے والے نہ صرف یہ کہ قلیل ترین بلکہ زیادہ تر غریب غربا، مفلس و نادار، کمزور، حقیر، بے سہارا اور ضعفا تھے۔ چنانچہ مولانا شبلی نے تو بطور کلیہ یہاں تک لکھ دیا ہے :

یہی سبب ہے کہ انبیاء کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہیں۔(۲۵)

اسی طرح مولانا عبدالرؤف دانا پوری سابقین اولین کی طویل فہرست نقل کرنے کے باوجود ابتدائی حلقہ بگوشان اسلام کے بارے میں تبصرہ فرماتے ہیں :

ان میں زیادہ غربا تھے، جن کا مکہ میں کوئی حامی نہ تھا، کچھ غلام تھے جو رؤسائے قریش کی نظروں میں کوئی عزت نہیں رکھتے تھے۔(۲۶)

مندرجہ بالا تاثرات و بیانات نہ صرف یہ کہ حقائق کے خلاف، واقعات کے برعکس اور انبیاء و رسل کی ترتیب دعوت و تبلیغ کے منافی ہیں، بلکہ اس نے چند در چند غلط فہمیوں اور مغالطہ آمیزیوں کو بھی مزید جنم دیا۔ مثلاً یہ سمجھا گیا کہ اسلام فقر و فاقہ، غربت (۲۷) اور کمزوری کا مذہب ہے۔ جب کہ بعض مصنفین، جدید محققین اور مستشرقین کے لئے رؤسائے قریش کی طرف سے مخالفت اور بعض غلام و موالی پر ظلم و ستم کو "طبقاتی کشمکش" کہنا اور تاریخ کی مادی تعبیر کے نقطہ نظر سے امرا و غربا کے مابین تصادم، زیر دست و زبر دست کا ٹکراؤ اور معاشی عوامل، عناصر کی کارروائی قرار دینا آسان ہو گیا۔(۲۸)

حالانکہ تاریخ اور واقعات کی شہادت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اسلام کے اولین پیرو اور دعوت نبوی □ پر ابتدائی دنوں، ابتدائی ہفتوں، مہینوں اور ابتدائی سالوں میں (کم از کم تین سالہ خفیہ تبلیغ کے زمانے میں ہی) لبیک کہنے والے حضرات صحابہ اہل ایمان، خواتین و حضرات (از روئے مرتبہ و منزلت اور بلحاظ معاش و معاشرت) زیادہ تر اونچے گھرانوں کے، کھاتے پیتے، عزت دار، اثر و رسوخ اور اچھی شہرت

Alsera

والے لوگ تھے اور بحیثیت مجموعی ان اصحاب گرامی کا تعلق مکہ اور مضافات مکہ میں بسنے والے تمام قبائل قریش اور حلفا سے تھا۔ ان میں متعدد بڑے مالدار، معاشی طور پر مستحکم، سردار یا سرداروں کے فرزند اور (اس وقت قائم وموجود شہری مملکت مکہ یا) کی اشرافیہ کے رکن رکین بھی تھے۔

چنانچہ ایک نظر ڈال لیجئے اور دیکھئے کہ یہ کون ہیں، کس حیثیت و مرتبے کے ہیں، یعنی حضرت خدیجہ (بنواسد)، حضرت ابوبکر (بنوتیم)، حضرت علی (بنوہاشم)، حضرت عبیدہ بن الحارث (نبوالمطلب)، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ (بنوعبدشمس)، حضرت عثمان (بنوامیہ)، حضرت یزید بن زمعہ (بنوعبد العزیٰ)، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (بنوزہرہ)، حضرت سعید بن زید (بنوعدی)، حضرت مصعب بن عمیر (بنوعبدالدار)، حضرت عثمان بن مظعون (بنوجمح)، حضرت عبداللہ بن حذافہ (بنوسہم)، حضرت ارقم بن ابی الارقم (بنومخزوم)، حضرت حاطب بن عمرو (بنوعامر بن لوئی)، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (بنوفہر بن مالک)، حضرت طلیب بن عمرو (بنوعبدقصی)، حضرت امیمہ بنت خلف (بنوخزاعہ)، حضرت عبداللہ بن جحش بن رئاب (حلیف بنوامیہ)، حضرت عبداللہ بن مسعود (حلیف بنوزہرہ)، حضرت خالد بن بکیر (حلیف بنو عدی)، حضرت عمیر بن رئاب (حلیف بنوسہم)، رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ (۶۹) ان چند مثالوں سے ہی اہل ایمان کی سماجی یا معاشرتی حیثیت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اور باعتبار تعداد بھی طبقۂ اہل ایمان کو قلیل ترین قرار دینا خلاف واقعہ ہے (یہ وضاحت پہلے کئی بار کی جا چکی ہے کہ علانیہ دعوت اور تبلیغ عام سے پہلے ہی تین سالہ ابتدائی خفیہ دعوتی دور میں ہی اہل ایمان کی تعداد اندازاً ۱۵۰ سے متجاوز کر چکی تھی۔ چنانچہ قدیم ترین مآخذ کے علاوہ سیرت رسول کی جدید اردو انگریزی تصانیف میں نقل کردہ سابقین اولین کی فہرستیں، (جو یقیناً نامکمل ہیں) اس پر شاہد عادل ہیں (۷۰)۔ علاوہ ازیں مستشرقین میں سے لیون کتانی اور منٹگمری واٹ نے ابتدائی مسلمانوں اور کفار ومشرکین کی جو فہرستیں مرتب کی ہیں، ان میں اگرچہ مختلف النوع اغلاط و تسامحات پائے جاتے ہیں، تاہم اہل ایمان کے قلیل ترین قرار دیئے جانے کی بہرحال نفی ہو جاتی ہے۔ یہاں بطور نمونہ مختلف قبائل، بطون وحلفائے قریش میں حاملان ایمان واسلام کی تین سالہ خفیہ عہد میں تعداد کا سرسری اندازہ اگر صرف مولانا مودودی کی پیش کردہ فہرست کو سامنے رکھ کر کیا جائے (۷۱) جس میں اضافے کی پوری گنجائش موجود ہے تو پھر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ: بنوہاشم ۴۔ بنومطلب، ۱۔ بنوعبدشمس ۲۔ بنو امیہ، ۵۔ حلفائے بنوامیہ ۳۔ بنوتیم، ۵۔ حلفا بنوتیم ۱۔ بنواسد ۴۔ بنوعبدالعزیٰ، ۱۔ بنوزہرہ، ۹۔ حلفا بنو زہرہ، ۷۔ بنوعدی ۱۰۔ حلفا بنوعدی، ۵۔ بنوعبدالدار، ۴۔ بنوجمح، ۱۱۔ بنی سہم ۱۳۔ حلفا بنوسہم ۲۔ بنو

o\Alsera

مخزوم، ۱۱۔ حلفا بنو مخزوم، ۳۔ بنو عامر بن لوئی، ۱۰۔ بنو فہر بن مالک، ۶۔ بنو عبد قصی، ۱۔ وغیرہ کے وہ لوگ اس میں شامل ہیں جو قریش مکہ کے معزز سولہ خاندانوں سے تعلق رکھنے والے ۱۱۸ حضرات تھے۔ ان میں سے ۹۶ مرد اور ۲۲ خواتین تھیں۔ پھر ان کے علاوہ اچھی خاصی تعداد موالی، غلاموں اور لونڈیوں کی بھی تھی، جنہوں نے خفیہ دعوت کے ان تین سالوں میں اسلام قبول کیا، ان کی تعداد گیارہ تھی، جب کہ ابتدائی چار مسلمانوں حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ ملا کر تعداد ۱۳۳ بن جاتی۔ اور اگر زوجہ حضرت عباس حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کو شامل کر لیا جائے تو تعداد ۱۳۴ ہو جاتی ہے (۷۲)۔ اور اگر تین سالہ خفیہ عہد سے آگے معروف و مشہور روایت کے مطابق (۷۳) حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے کے بعد ۶ نبوی میں کی مسلمانوں کی تعداد دیکھی جائے تو یہ ایک ہم عصر سیرت نگار کے مطابق ایک ہزار سے بھی متجاوز تھی (۷۴)۔

اب جہاں تک ضعفاء المسلمین کا تعلق ہے تو اہل ایمان کی ایک محدود تعداد لونڈی، غلام اور موالی کی شکل میں بلاشبہ موجود تھی، لیکن طبقہ اشراف و آزاد کے مسلمانوں کی کثیر تعداد کے مقابلے میں انہیں بہت قابل ذکر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ یہ نتیجہ نکالنا درست ہو سکتا ہے کہ انبیائے کرام کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہیں (۷۵)۔

تاریخ و سیرت کے ابتدائی مآخذ (ابن ہشام، ابن اثیر، یعقوبی، ابن حزم، ابن کثیر وغیرہ (۷۶)) اور مولانا شبلی نعمانی (۷۷) و جدید مصنفین (۷۸) کے پیش نظر اگر ضعفاء المسلمین، لونڈی، غلام، موالی کی تعداد کا اندازہ کیا جائے تو وہ بمشکل ڈیڑھ درجن یعنی ۱۸/۱۶ قرار پاتی ہے۔ مکی طبقاتی معاشرے کے لحاظ سے یہ طبقہ طبقہ اشراف، بڑے اور متوسط خاندانوں کے مقابلے میں مجموعی طور پر اگرچہ کم تر اور فروتر تھا، لیکن اس طبقے میں بھی موالی اور حلیف کا درجہ الگ تھا اور غلاموں کا الگ۔ موالی دو طرح کے تھے، ایک تو وہ آزاد شہری جو کسی علاقے میں بس جاتے تھے اور کسی خاندان سے رشتہ ولا استوار کر لیتے تھے۔ مثلاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔ اور دوسرے آزاد کردہ غلام جو عموماً اپنے سابق آقا سے ہی رشتہ ولایت میں بندھے رہتے تھے، مثلاً حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ حلفا اور موالی دونوں اپنے سرپرست خاندانوں کے افراد و ارکان سمجھے جاتے تھے۔ عرب سماج میں حلیف برابر کے ساتھی تھے اور وہ مساوی سطح پر باہمی امداد و تعاون کا معاہدہ کرتے تھے، اور فریقین کو ان کی شرائط کا یکساں خیال رکھنا پڑتا تھا (۷۹)۔ چونکہ ضعفاء المسلمین میں موالی اور حلیف شامل ہیں مثلاً حضرت عمار اور حضرت یاسر رضی

Alsera

اللہ عنہا بنو مخزوم کے حلیف تھے، حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ بنو تیم کے اور حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بنو زہرہ کے حلیف تھے اس طرح ان میں آزاد کردہ غلام (موالی) بھی شامل تھے مثلاً ابو فکیہہ یسار الجہمی رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ کے آزاد کردہ غلام، اور حضرت زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا عمرو بن المؤمل کی آزاد کردہ باندی تھیں اس لئے ضعفا میں سے حلفاو موالی کو بے آسرا، بے سہارا، بے نام و نشان کہنا بھی درست نہیں ہوگا۔ بہر حال ان کا شمار کرنے کے لئے ہم ذیل میں ان حضرات صحابہ کی فہرست پیش کر رہے ہیں جنہیں سرداران قریش کی طرف سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا:

حصہ الف

۱۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ	حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد اور حضرت سمیہ کے شوہر۔ بنو مخزوم کے حلیف
۲۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ	بنو مخزوم کے حلیف۔ حضرت یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہما کے بیٹے
۳۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا	ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی لونڈی۔ حضرت عمار کی والدہ، اور اسلام کی راہ میں پہلی شہید، جنہیں ابو جہل نے برچھی ماری تھی
۴۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ	امیہ بن خلف کے غلام
۵۔ حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا	والدہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ مشرک آقا کی باندی
۶۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ	بنو زہرہ کے حلیف۔ ام انمار آہن گر عورت کے غلام
۷۔ حضرت زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا	عمرو بن المؤمل کی آزاد کردہ لونڈی
۸۔ حضرت ابو فکیہہ جہمی رضی اللہ عنہ	صفوان بن امیہ کے آزاد کردہ غلام
۹۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	طفیل بن عبداللہ کے غلام
۱۰۔ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	بنو تیم کے حلیف
۱۱۔ حضرت ام عبیس/ام عمیس/ام عنیس رضی اللہ عنہا	اسود بن یغوث یا بنو زہرہ خاندان کی کنیز
۱۲۔ حضرت النہدیہ رضی اللہ عنہا	ولید بن مغیرہ کی باندی
۱۳ حضرت بنت نہدیہ رضی اللہ عنہا	ولید بن مغیرہ کی باندی

o\Alsera

۱۴۔ حضرت جاریہ بنی مؤمل رضی اللہ عنہا	بنوعدی بن کعب کی ایک باندی۔ جن کو بہ زمانہ کفر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ترک اسلام پر مجبور کرنے کے لئے مار مار کے تھک جاتے تھے۔ مگر وہ مومنہ صادقہ ثابت قدم رہی	
۱۵۔ حضرت مجن بن الادرع الاسلمی رضی اللہ عنہ	غیر قریش	
۱۶ حضرت مسعود بن ربیعہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	غیر قریش	

حصہ ب

۱۷۔ ام ایمن برکۃ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا

۱۸۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

ان متذکرہ بالا لونڈی، غلاموں اور رموالی و احلاف میں شامل ضعفاء المسلمین یا کمزور لوگوں کی یہ محدود، انگلیوں پر گنی جانے والی تعداد، اور مختصر فہرست کے حصہ اول میں زیادہ تر وہ حضرات ہیں جن پر قریش کے سرداروں اور طاقتوروں نے، اپنی ضد، انا، ہٹ دھرمی، طاقت کے نشے میں قہر و جبر دکھایا، اور اپنی دانست میں دوسروں کو سبق سکھانے کے لئے ظلم و ستم ڈھایا، اور اس امید پر ہر ممکن عذاب مسلط کیا کہ وہ کمزور، مجبور و ناتواں بالآخر ٹوٹ جائیں گے، احد احد کہنے سے باز آجائیں گے اور عافیت طلب کرنے کے لئے دین محمدی ترک کر دیں گے۔ لیکن ان کا یہ زعم باطل کسی کمزور و ضعیف، لونڈی غلام، بے آسرا بے سہارا کو راہ حق سے برگشتہ نہ کر سکا، اور تمام تر ابتلا و آزمائش کے باوجود وہ ایمان و اسلام پر ایسے ثابت قدم رہے کہ خود مارنے ستانے والے ٹوٹ کر رہ گئے، اور ضعفاء المسلمین میں سے کوئی ایک متنفس بھی زعمائے قریش کی خواہش کے مطابق نہ جھکا، نہ بکا، نہ اس نے عزیمت کی راہ ترک کر کے رخصت کی رعایت سے فائدہ اٹھایا۔ کمزوروں، مجبوروں پر ظلم ڈھا کر سرداروں کی انا کی تسکین ضرور ہو گئی، اور اپنی قوت کا تماشہ بھی انہوں نے دنیا والوں کو دکھا دیا، لیکن گلیوں، بازاروں، چوراہوں، چوپالوں، بیٹھکوں، اور گھروں میں اور باہر ظلم و ستم کے مناظر نے سب کے لئے لمحہ فکریہ پیدا کر دیا، اور دلوں میں کچھ جستجو، کچھ ہمدردی بھی۔ یہ سوال دیکھنے سننے والے ہر ایک کے ذہن میں ابھر آیا کہ وہ کلمہ کیا ہے جس کا اقرار کر کے ستائے جانے

Alsera

والوں کا یہ انجام ہوا اور یہ چرچا کو بہ کو پھیل گیا کہ اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ یہ کیا کہتے ہیں؟ وہ جادو کیا ہے جس نے ان کمزوروں کو ایسی قوت برداشت دے دی، انہیں لات و ہبل سے برگشتہ کر دیا ہے اور پیغام محمدی نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا ہے اور خستہ حالوں کو اپنے آقاؤں کے سامنے جرأت گفتار اور استقامت کردار سے مستحکم کر دیا ہے۔ یعنی اللہ نے شر میں سے خیر کا پہلو پیدا کر دیا۔ زعما جتنا دباتے تھے، ضعفا اتنا ہی ابھرتے تھے۔ اسلام ہر گھر کا موضوع بن گیا اور صرف مکہ مکرمہ ہی نہیں بلکہ رفتہ رفتہ پورے عرب میں بلکہ عرب سے باہر بھی یہ نام پھیل گیا۔

ان کمزوروں، خستہ حالوں کی خبر اہل ایمان اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وقتاً فوقتاً لیتے رہتے تھے۔ ایک دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو عذاب سہتے تھے پھر بھی احد کا نعرہ مستانہ لگاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مژدہ سنایا کہ **سینجیک احد احد** (جس وحدہ لاشریک کے تم نعرے لگا رہے ہو وہی عن قریب اس سے نجات دے گا)۔ حضرت خباب بن الارت کے حق میں دعا فرمائی **اللھم انصر خبابا** (اے اللہ آزمائش میں خباب کی مدد فرما)۔ اس طرح سرور عالم □ نے حضرت عمار، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ سے فرمایا تھا، **صبراً آل یاسر صبراً آل یاسر فان موعدکم الجنۃ** (صبر کرو اے آل یاسر صبر! تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے)(۸۱)۔ اور ایسا ہی ہوا کہ ان کی گلوخلاصی کی اللہ مختلف صورتیں پیدا فرماتا رہا۔ تاہم اس سلسلہ میں اللہ کی رضا کے حصول میں آگے بڑھنے والا، راہ خدا میں اپنا مال بے دریغ لٹانے والا، صدق وصفا کا پیکر، صدیق اکبر تھا، جس نے ان ضعفا میں سے اکثر کو کافر و مشرک آقاؤں سے نجات دلائی اور ان کے منہ مانگے داموں اور شرائط کے مطابق خرید کر آزاد کیا (۸۲)۔ اور مال خرچ کرنے میں کبھی یہ خدشہ، یہ فکر آڑے نہ آئی کہ فقیر ہو جائیں گے (۸۳)۔ ان کے اس طرز عمل کی تحسین اللہ نے خود فرمائی (۸۴)۔

اس طبقۂ مظلومین کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ تبلیغ رسالت کے ابتدائی پانچ چھ سالوں میں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان ضعفاء المسلمین کو زعمائے قریش کی طرف سے انفرادی طور پر ظلم و ستم کا نشانہ زیادہ بنایا گیا اور تقریباً اسی زمانے کے اختتام پر ہجرت حبشہ اول و دوم کی اجازت دیئے جانے میں ظلم و تعدی کی طرف اشارہ موجود تھا۔ اکثر و بیشتر اصحاب سیر نے تعذیب المسلمین کے بعد ہجرت حبشہ کا باب باندھا ہے (۸۵)۔ یہ گویا تعذیب المسلمین علی الانفراد کا پہلا مرحلہ تھا۔

لیکن اس مرحلہ اولی میں صرف غریب غربا، لونڈی غلام موالی، اور ضعفاء ہی ظلم و ستم کا نشانہ

Alsera

نہیں بنے بلکہ خاندانی لوگ، شرفا، عزت وشہرت والے حمایت جمعیت رکھنے والے، قریشی سرداروں کے اعزاواقربا بھی آزمائشوں کی لپیٹ میں آگئے۔قریشی سرداروں اور زعما کے بیٹوں، بھائیوں، رشتہ داروں میں سے جس کسی نے بھی کلمہ اسلام سے اپنے آپ کو مشرف کیا تھا، ان کے بڑوں نے انہیں انتاہی ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی اور جوروجفا کی ہر ممکن شکل میں انہیں مبتلائے عذاب رکھا گیا، اس آزمائش سے نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب منصب ومنزلت بچ سکے، نہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے صاحبان عزت و دولت وثروت امان پا سکے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی جرأت اظہار کا یہی بے رحمانہ صلہ دیا گیا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے مکی معاشرے کی نچلی اور اونچی دونوں سطحوں پر ظلم وستم کا بازار گرم ہو گیا اور بے سہارا اور ان کا سہارا بننے والے دونوں زیر عتاب آگئے۔ یہاں بحث وتفصیل کا تو موقع نہیں لیکن یہ صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ اعدائے اسلام کو اس تمام ترگرم بازاری کے باوجود حسرت و یاس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا، ان کا مقصد و مدعا پورا نہ ہوا، اشراف قریش نے دیکھ لیا کہ قافلہ سخت جاں کی پیش قدمی نہ روکی جا سکی۔چنانچہ اب وہ گویا مجبور ہو گئے کہ اور سخت قدم اٹھائیں، کوئی اجتماعی فیصلہ کریں، پھر سخت ترین حملہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔اس کی تفصیل ہم ارتقائے مخالفت قریش کی تاریخ میں ذکر کریں گے۔ان شاءاللہ

۸۔یہ بالکل واضح ہے کہ مخالفت قریش کے اصل فریق، متعلقین ومتاثرین تین تھے۔مخالفت کا اصل کردار، اور فریق اول خود قریش کے سردار، اشراف، معترضین ومتکبرین اور ان کے ہم نوا وہ لوگ تھے جو دعوت حق کے منکر، اسلام کے دشمن اور مخالفت وعداوت کی بزم سجائے بیٹھے تھے۔دوسرے فریق ہادی عالم، پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جو بہ فیضان الٰہی ہدایت انسانی کے لئے مامور کئے گئے تھے، اور تبلیغ رسالت کے مکلّف بن کر قوم کو دعوت حق دے رہے تھے اور بلا خوف وخطر توحید باری تعالیٰ کی طرف بلا رہے تھے۔تیسرے فریق پیروان رسول عربی تھے۔ایمان لانے والے، اقرار اسلام کرنے والے وہ صاحبان ایمان جو آپ□ کی دعوت توحید کو قبول کر کے، دامن اقدس سے وابستہ ہو چکے تھے۔ایسے حضرات قدس میں معاشرتی وسماجی لحاظ سے، مختلف حیثیتوں کے مالک، بہت بلند، ذرا فروتر وکمتر، اور غریب غربا، ضعفا، لونڈی، غلام، حلیف وموالی یعنی ادنیٰ واعلیٰ ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔تاہم بحیثیت مجموعی اس عرب معاشرے کے منتخب افراداور تمام قبائل، بطون اور خاندانوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔

اس فصل کے گذشتہ صفحات میں فریق اول قریش کے دعوت حق کے ردعمل اور جارحانہ رویئے کے حوالے سے اصولی باتیں اور مقدمات بیان کئے جا چکے ہیں۔ لیکن اب یہ جاننا اور پہچاننا ضروری ہے کہ اشراف قریش کی کتنی تعداد وہ ہے جس نے مخالفت وعداوت میں حصہ لیا۔ کتنے سردار، کتنے زعما ایسے ہیں جنہوں نے شدید ترین مخالفت اور مخاصمت کا طوفان برپا کیا، جنہوں نے پیغام رسالت کے زبانی انکار کے علاوہ عملی اقدامات سے دعوت حق کا راستہ روکنے کی کوشش کی، جنہوں نے نخل اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ جنہوں نے اسلام کے ماننے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، جسمانی عذاب سے دوچار کیا، انہیں ذلیل وخوار کرنے، ان کی تحقیر کرنے، ان کا استہزا اور تمسخر اڑانے میں پیش پیش رہے، ان کا رویہ، ان کے عزائم، ان کے مقاصد، ان کی حکمت عملی اور منصوبہ بندی کیا تھی، جس کے سبب وہ عرصہ دراز تک مخالفت وعداوت پر قائم رہے۔ اور ہر منفی رویہ، ہر جارحانہ طرز عمل اور ہر ممکن تدبیر، جنگی تیاریاں، اور انفرادی واجتماعی یورشیں بھی بالآخر انہیں کامیابی سے ہم کنار نہ کرسکیں۔

تاریخ وسیر کے مآخذ میں جن شدید ترین معاندین اور خونخوار مخالفین اور کھلے دشمنوں کی جو تعداد مذکور ہے بلکہ اگر درجہ بندی کرکے شدید ترین مخالفین، کمتر مخالفین، مستہزئین کی کل تعداد کو بھی جمع کر لیا جائے تو بمشکل تمام ساڑھے تین درجن یعنی ۴۲،۴۰ ہوتے ہیں۔ یعنی مکہ کی پوری آبادی میں مٹھی بھر تعداد۔ اور شدید ترین تو چند ہی تھے۔ انگریز مستشرق واٹ نے ابوجہل، ولید بن المغیرہ اور مطعم بن عدی کے علاوہ کسی کا نام نہیں لیا بلکہ اصلاً ابوجہل کو ہی مرکزی کردار قرار دیا ہے (۸۶)۔ اس اعتبار سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ پیغام رسالت سے عداوت ومخالفت اور دعوت حق سے نفرت وہاں کی پوری آبادی کو نہیں تھی، بلکہ عوام الناس کی اکثریت لاتعلق رہ کر تماشہ بین بنی ہوئی تھی اور عداوت ومخالفت کا سارا طوفان چند لوگوں کا پیدا کردہ تھا۔ جنہوں نے اپنی سرداری، عیاری ومکاری دھونس، دھاندلی، طاقت کے زور پر لوگوں کو ورغلا کر، بہلا کر، اپنے بے رحمانہ اقدامات سے، رائے عامہ کو اپنے حق میں زیر اثر لاکر صورت حال کو پوری طرح گھمبیر بنا دیا۔ یعنی چند شرارے تھے جو خرمن حیات کو جگہ جگہ سے آگ لگا رہے تھے۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے ہم تاریخ وسیر کے ابتدائی وثانوی مآخذ کی روشنی (۸۷) میں قریش کے ایسے تمام (شریر وخبیث) لوگوں کی ایک مجموعی فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی درجے میں مخالفت اسلام، تمسخر کلام الہٰی، عداوت رسول اور انکار دعوت حق میں حصہ لیا نیز اہل ایمان اور پیغمبر برحق کو روح فرسا اذیتوں سے دوچار کیا۔ اس فہرست میں معروف وغیر معروف عظما، زعما، شرفا، اور

Alsera

روسائے قریش شامل کیے گئے ہیں۔یعنی شدید خبیث معاندین، کھلے دشمن (المجاھرون) (۸۸) ابوجہل، ابولہب، ام جمیل، (وغیرہ) نسبتاً کمتر عداوت کے حامل (۸۹)، عتبہ، شیبہ، ابوسفیان بن حرب وغیرہ، اور دیگر نوع کے مخالفین (۹۰)) نیز اس میں محمد بن حبیب البغدادی کی تصریح کے مطابق (۹۱)، المستھزؤن عاص بن وائل، ولید بن المغیرہ وغیرہ، المقتسمون مثلاً ابوقیس بن الولید، حنظلہ بن ابی سفیان اور زنادقۂ قریش عقبہ بن ابی معیط، ابی ابن خلف، النضر بن الحارث وغیرہ بھی شامل ہیں۔گویا جس طرح پہلے ہم (مخالفت قریش کے) فریق سوم (اہل ایمان) سابقین اولین اور ضعفاء المسلمین کی مجموعی تعداد کا اندازہ لگا چکے ہیں۔اسی طرح ان کے مدمقابل (فریق اول یعنی اصل) قریش مخالفین و معاندین اسلام کی کل تعداد کو جان لینا چاہئے۔چنانچہ عداوت خدا و رسول کے باب میں، (قریش کے نمایاں ترین افراد، کفار، مشرکین، مکذبین، جہلائے متعصبین اور) مخالفین کی فہرست ذیل میں درج کر رہے ہیں، جسے بڑی حد تک جامع قرار دیا جا سکتا ہے۔

نمبر شمار	نام	قبیلہ/خاندان	کل تعداد اہل خانہ
۱۔	ابولہب (عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب)	بنوہاشم	
۲۔	ام جمیل بنت حرب (زوجہ ابولہب)	بنوہاشم	۳
۳۔	ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب	بنوہاشم	
۴۔	عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس	بنوامیہ	
۵۔	شیبہ بن ربیعہ	بنوامیہ	
۶۔	عقبہ بن ابی معیط	بنوامیہ	
۷۔	ابوسفیان بن صخر بن حرب	بنوامیہ	
۸۔	حنظلہ بن ابی سفیان	بنوامیہ	۸
۹۔	حکم بن ابی العاص بن امیہ	بنوامیہ	
۱۰۔	معاویہ بن المغیرۃ بن ابی العاص	بنوامیہ	
۱۱۔	عاص بن سعید بن العاص	بنوامیہ	
۱۲۔	رکانہ بن عبدیزید بن ہاشم	بنوالمطلب	۱
۱۳۔	مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف	بنونوفل	۱

Alsera

۱۴۔	ابوجہل (عمرو بن ہشام)	بنومخزوم	
۱۵۔	الولید بن المغیرہ	بنومخزوم	
۱۶۔	ابوقیس بن الولید	بنومخزوم	
۱۷۔	قیس بن الفاکہ بن المغیرہ	بنومخزوم	
۱۸	العاص بن ہشام	بنومخزوم	۹
۱۹۔	زہیر بن ابی امیہ بن المغیرہ	بنومخزوم	
۲۰	اسود بن عبداللہ	بنومخزوم	
۲۱۔	عبداللہ بن ابی امیہ	بنومخزوم	
۲۲۔	صیفی بن السائب (۹۲)	بنومخزوم	
۲۳۔	الاسد بن عبد یغوث ابن وہب	بنوزہرہ	۲
۲۴۔	الاخنس بن شریق بن عمرو بن وہب	حلیف بنوزہرہ	
۲۵۔	العاص بن وائل بن ہاشم السہمی	بنوسہم	
۲۶۔	عمر بن العاص	بنوسہم	
۲۷۔	الحارث بن عدی بن سعید	بنوسہم	۶
۲۸۔	منبہ بن الحجاج بن عامر بن حذیفہ	بنوسہم	
۲۹۔	بنیہ بن الحجاج	بنوسہم	
۳۰۔	عبداللہ بن الزبعری	بنوسہم	
۳۱۔	الاسود بن المطلب بن اسد	بنواسد	
۳۲۔	ربیعہ بن الاسود زمعہ	بنواسد	۳
۳۳۔	ابوالبختری (عاص بن ہشام)	بنواسد	
۳۴۔	امیہ ابن خلف بن وہب بن خدافہ	بنوجمح	
۳۵۔	ابی اب خلف بن وہب	بنوجمح	
۳۶۔	انیس/اوس بن معیر بن لوذان (۹۳)	بنوجمح	۶
۳۷۔	حارث بن قیس بن عدی (الغیطلہ) (۹۴)	بنوجمح	

o\Alsera

۳۸۔	عدی بن الحمرا عاثقفی	بنو جمح	
۳۹۔	حارث/ مالک بن الطلالتہ الخزاعی (۹۵)	بنو جمح	۱۰
۴۰۔	النضر بن الحارث بن علقمہ بن کندہ (۹۶)	بنو عبدالدار بن قصیٰ	۱
۴۱۔	سہیل بن عمرو عامری	بنو عامر بن لوئی	۱
		(من قریش الظواہر)	
	دشمنان خدا و رسول	کل شمار خاندان: ۱۱	میزان: ۱۴۱ افراد

مخالفت وعداوت رسول کے ان تمام کرداروں میں سے کون سا موذی ایسا ہے جسے ان تمام کا سرغنہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ تمام مؤرخین اور اصحاب سیر کا عمومی رجحان اس طرف ہے کہ اصل شخص جسے مخالفت رسول اور پیغام الٰہی کے منکرین میں اولیت حاصل ہے، اور اس کی ترغیب و ترہیب کے سبب دوسروں کو بغض وعداوت کا حوصلہ پیدا ہوا، وہ ابو جہل عمرو بن ہشام تھا۔ واٹ کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ابو جہل تھا۔ ابتدائی دور کے مسلمانوں (السابقون الاولون) کا جائزہ لیتے ہوئے مخزوم کے زیر عنوان واٹ نے لکھا ہے کہ بادی النظر میں مکہ میں تقریباً (جنگ) بدر سے پہلے کا غالب اثر و رسوخ اور نمایاں ترین سیاسی حلقہ بنو مخزوم کا تھا، جس کا سردار ابو جہل تھا، اس لئے مخالفین خدا و رسول کا قائد اور پیش رو ابو جہل تھا۔ (۹۸) (جاری)

اسناد و حواشی حوالے

۱۔ مثلاً مولانا وحید الدین خاں صاحب کی مختصر کتاب ''پیغمبر انقلاب فضلی سنز، کراچی طبع دوم ۱۹۹۶ء) جو متعدد سنجیدہ بحثوں اور فکر انگیز مضامین پر مشتمل ہے، تاہم ایک باب (پیغمبر مکہ میں) ایسے نتیجۂ بحث تک پہنچ گئے ہیں جو امر واقعہ اور حقیقت سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، چنانچہ موصوف یہ عجیب و غریب بات لکھتے ہیں کہ ''چنانچہ مکہ کے ماحول میں تو حید کی دعوت آپ کے لئے انتہائی صبر آزما ثابت ہوئی۔ ابتدائی تین سال تک چند آدمیوں کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہ لا سکا۔ دو مربع کلومیٹر میں آباد مکہ میں جس طرح درخت کا کوئی سایہ نہ تھا، اسی طرح وہ آپ کے ساتھیوں اور طرفداروں سے بھی خالی تھا، بستی میں صرف چار آدمی تھے جو آپ کے قریب ہو سکے تھے۔ خدیجہؓ علیؓ، زیدؓ، اور ابو بکر صدیق او راگر حضرت ابو بکرؓ کی بچی عائشہؓ کو بھی شامل کر لیا جائے تو گویا پہلی پیدائشی مسلمان تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامیوں کی تعداد پانچ ہو جاتی ہے'' (ص ۱۳۴) اس سخت غلط فہمی کے ازالے کے لئے

Alsera

بحث وتفصیل آئندہ فصول میں آئے گی، جس سے معلوم ہوگا کہ آپ پر ایمان لانے والوں آپ کے ساتھیوں، طرفداروں اور حامیوں کی تعداد تو اس وقت سینکڑوں تک پہنچ چکی تھی، تاہم اگر مولانا عبدا لرؤف دانا پوری کی اصح السیر (مطبوعہ اصح المطابع کراچی) میں مندرج ۵۲ سابقین الاولین کی فہرست (۵۹ تا ۶۹) مولانا مودودی کی کتاب سیرت سرور عالم (مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۷۹ء ج ۲ ص ۱۵۵ تا ۱۶۱) میں حضور کی دعوت عام سے پہلے تین سالہ خفیہ دور کے ۱۳۴ مسلمانوں کی نام بہ نام فہرست اور واٹ کی کتاب (محمد ایٹ مکہ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ ص ۱۷۰ تا ۱۷۹) میں دی گئی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو مصنف علام کا بیان حقیقت کے برعکس ثابت ہوجاتا ہے۔ یہ امر بجائے خود قابل ذکر ہے کہ نزول وحی ربانی کے بعد اس سے متصل عرصے میں نبی ﷺ کے اپنے گھر میں شعوری اور پیدائشی مسلمانوں اور ایمان لانے والوں کی تعداد مصنف علام کی مذکور تعداد سے زیادہ ہوجاتی ہے، یعنی حضرت ا۔خدیجہؓ ۲۔زینبؓ ۳۔رقیہؓ ۴۔ام کلثومؓ ۵۔فاطمہؓ ۶۔زید بن حارثہ ۷۔ ابورافعؓ ۸۔صالح شقران ۹۔ابوکبشہ ۱۰۔انسہ ۱۱۔میسرہؓ ۱۲۔اسامہ بن زیدؓ ۱۳۔اور اگر حضرت علی (۱۴) اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ان کی (۱۵) بچی کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہی مجموعہ ۱۵ خواتین وحضرات کا ہوجاتا ہے۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ (مخالفت قریش کے باوجود) دعوت نبوی کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد میں تیز رفتاری سے اضافہ عین قرین قیاس ہے۔ مزید تفصیلات وبحث کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر لیٹین مظہر صدیقی، عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، نقوش لاہور، رسول نمبر جلد ۵ شمارہ ۱۳۰/۱۹۸۳ء، ۳۹۹ تا ۴۴۰۔ نیز جلد ۱۲، ۷۰ تا ۲۷۹ نیز دیکھئے۔ وہی مصنف (مقالہ) تاریخ اسلام کے اہم موڑ، خفیہ تبلیغ کے عہد کا تجزیہ، نقوش لاہور (سالنامہ) شمارہ ۱۴۱/۱۹۹۴ء، ۴۲ تا ۶۹

۲۔ مثلاً پیر محمد کرم شاہ الازہری کی ضخیم کتاب ضیاء النبی (مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور ۱۴۱۵ھ) کا یہ بیان کہ "ہادی انس وجاں ﷺ نے تیرہ سال کا طویل عرصہ رات دن، ان تھک کوشش فرمائی، لیکن گنتی کے چند خوش نصیبوں کے علاوہ کسی کو توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ اپنے ہادی برحق کی پرخلوص دعوت کو قبول کرلیں" (ج ۲ ص ۵۴۵) علامہ موصوف آگے رقمطراز ہیں: "ایام حج میں عرب کے اکثر قبائل مکہ مکرمہ میں حاضری کا شرف حاصل کرتے تھے، نبی رحمت ان مواقع پر ہر قبیلے کی خیمہ گاہوں میں جاجا کر انہیں قبول اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن ان عقل کے اندھوں کو بھی نور حق نظر نہ آیا۔ جب سالہا سال کی جاں گداز محنت کے باوجود مکہ اور اس کے گردونواح میں آباد قبائل میں حق قبول کرنے کے آثار دکھائی نہ دیئے تو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت نے ایک دور افتادہ شہر کے قبیلوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کردیا (ایضاً ۵۴۵) اوپر کے دونوں بیانات سے یہ تاثر بہت نمایاں ہوکر سامنے آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ۱۳ سالہ کوششیں (خدانخواستہ) رائے گاں گئیں، یا بے اثر رہیں، اور مخالفت قریش اور مخالفین کی بالادستی کے سبب خدانخواستہ دعوت نبوی کو پنپنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن تاریخی واقعات وحالات سے ان تاثرات کی تائید وتوثیق ممکن نہیں ہوسکتی۔ یہاں مجملاً یہ بتادینا

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام کی رفتار، قبول دعوت نبوی کا احوال اور قبول پیغام حق کے ردو قبول کا جائزہ لیتے وقت عموماً اصحاب سیر، مورخین اور مصنفین، قریش کے چند مشہور خاندانوں تک ہی اپنی ساری توجہ مرکوز رکھتے ہیں، پھر روا روی میں ان کی پیروی جدید سیرت نگار اور غیر مسلم مولفین و مستشرقین بھی آنکھ بند کر کے کرتے ہیں، لیکن مکہ مکرمہ کے مرکزی حصے، اور قرب و جوار کعبہ کے آباد علاقوں کے علاوہ قریش الظواہر کے بطون واحلاف اور موالی سے کوئی تعرض نہیں کرتے، حالانکہ وہ بھی مکہ اور مضافات مکہ کے باشندے تھے اور وہ بھی مختلف زمانوں میں برابر حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے، نیز ایسے حضرات کو بھی شمار نہیں کیا جاتا جنھوں نے باہر سے مکہ آ کر اسلام قبول کیا اور پھر اپنے علاقے کو واپس چلے گئے۔ مثلاً حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہ دونوں نے مکہ آ کر اسلام قبول کیا اور پھر اپنے علاقے لوٹ گئے۔ (مزید مثالوں اور نکتے کی وضاحت و دیگر تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی (خفیہ تبلیغ کے عہد کے تجزیہ) ۵۲ تا ۵۵) علاوہ ازیں مسلمانوں کے شمار کی تعداد میں مردوں کو زیادہ اہمیت دی گئی اور عورتوں کو وقتاً فوقتاً نظر انداز کیا گیا، ان وجوہ سے مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی صحیح تعداد سامنے نہ آسکی، اور عمومی تاثر کو بہت کچھ محدود سمجھا گیا۔ یہ صورت حال متقاضی ہے کہ اشاعت اسلام کی رفتار اور ردو قبول کی وسعتوں کا پھر سے جائزہ لیا جائے۔

۳۔ بعض موضوعات کے ازسر نو مطالعے کے حوالے سے ''شعب ابی طالب'' کے مختلف پہلوؤں (صحیح محل وقوع، مقاطعہ قریش کی نوعیت و اقعیت، اثرات، محصوری کی حقیقت اور دوسرے متعلقہ مباحث) پر مشتمل ایک مقالہ راقم الحروف نے الفلاح (کراچی) کے زیر اہتمام منعقدہ آل پاکستان سیرت کانفرنس (۱۹۷۰) میں پیش کیا تھا۔ پہلے پہل یہ مقالہ جمعیت الفلاح کے آرگن ''دی وائس آف اسلام '' (کراچی) میں چھپا، پھر یہی مقالہ نقوش لاہور کے رسول نمبر جلد ۹ (شمارہ ۱۳۰ جنوری ۱۹۸۴ء) میں (۲۶۰ تا ۲۶۸) شائع ہوا، اسی طرح مثلاً ہجرت مدینہ کے قرآنی اسباب وعوامل کے جائزہ پر مشتمل ایک مقالہ اس خاکسار نے جمعیت الفلاح کراچی کے تحت منعقدہ آل پاکستان سیرت کانفرنس (۱۹۷۳ء) میں پیش کیا تھا جو اسی ادارے کے آرگن ''دی وائس آف اسلام'' کراچی میں شائع ہوا تھا، اور پھر یہی مقالہ نقوش لاہور کے رسول نمبر جلد ۸ (شمارہ ۱۳۰ جنوری ۱۹۸۴ء) میں ہجرت نبوی کے اسباب و برکات کے عنوان سے (۲۳۴ تا ۲۴۵) شائع ہوا۔

۴۔ مولانا شبلیؒ کی سیرۃ النبی کا زمانہ تسوید و تصنیف بیسویں ۲۰ صدی کا پہلا عشرہ تھا۔ ان کی کتاب اگرچہ خود ان کی وفات ۱۹۱۴ء کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئی، لیکن ان کے شاگرد رشید اور کتاب کے مرتب و جامع مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تصریح (دیباچہ طبع اول، سیرت النبی مطبع معارف اعظم گڑھ۔ (جلد ۱) کے مطابق اس کتاب کا غزوہ احد تک کا حصہ مولانا شبلی ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) تک لکھ چکے تھے۔

۵۔ مولانا شبلی سیرۃ النبی □ سے پہلے الفاروق اور الغزالی جیسی کتابیں لکھ کر یہ ثابت کر چکے تھے کہ وہ محض جذباتیت اور عقیدت سے کام نہیں لیتے بلکہ نقد ونظر اور تحقیق وتدقیق کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں ۔زمانے کی روش اور روایت کے خلاف کام کر کے مولانا شبلی کو مخالفتوں کا ہی نہیں کفر کے فتووں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔تاہم اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ کم از کم برصغیر پاک وہند میں سیرۃ النبی کو ہمیشہ مقبول ترین کتاب سیرت ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور اب تک متعدد اداروں کی طرف سے اس کے لاتعداد ایڈیشن نکل چکے ہیں بلکہ اب نکل رہے ہیں اور تشنگان علم کو سیراب کر رہے ہیں۔

۶۔ پروفیسر سید نواب علی صاحب (۱۹۶۱ء) نے اپنے مضامین سیرت پہلے بقلم خود ایک جلد میں ''تذکرۃ المصطفی'' کے نام سے ۱۹۰۷ء میں شائع کیے تھے، اور اس کا ایک نسخہ مولانا شبلی کو بھی بھیجا تھا (ملاحظہ ہو دیباچہ کتاب، سیرت رسول اللہ مکتبہ افکار کراچی ۱۹۶۶ء،۲۱)

۷۔ پروفیسر نواب علی صاحب کی کتاب سیرت رسول اللہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا، جبکہ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی □ اور قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ العالمین منظر عام پر آچکی تھیں۔

۸۔ پروفیسر نواب علی سیرت رسول اللہ کراچی ایڈیشن (۱۹۶۶ء)۹۷

۹۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان ۔رحمۃ اللعالمین ۔شیخ غلام علی اینڈ نظر ۔لاہور ۱۹۵۳ء۔۶۲

۱۰۔ سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن ۔سیرۃ النبی رسول کریم □ نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۸ء

۱۱۔ داناپوری، مولانا حکیم ابو البرکات عبدالرؤف صاحب قادری۔ اصح السیر فی ھدی خیر البشر □۔ نور محمد۔ اصح المطابع۔ کراچی۔ پیش لفظ (مرقومہ ستمبر ۱۹۳۲ء)

۱۲۔ رسول رحمت۔ (ترتیب مولانا غلام رسول مہر) شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۷۰ء

۱۳۔ ڈاکٹر محمد عزیز۔ پیغام اور پیغامبر □ ۔نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۸۴ء (مصنف نے صرف ایک جملہ یہ لکھا ہے کہ ''سورۃ مدثر کے حکم قم فانذر کی تعمیل میں جب رسول اللہ □ نے علانیہ تبلیغ کا آغاز فرمایا تو اس وقت سے قریش نے بھی مخالفت شروع کر دی۔ص ۸۷)

۱۴۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ پیغمبر اعظم وآخر۔ فیروز سنز۔ لاہور (ت طان)

۱۵۔ وحید الدین خاں، مولانا، پیغمبر انقلاب۔ فضلی سنز کراچی ۱۹۸۴ء

۱۶۔ خالد علوی۔ ''انسان کامل'' یونیورسٹی بک ایجنسی۔ لاہور ۱۹۷۴ء

۱۷۔ محمد حسین ہیکل۔ حیاۃ محمد □ (ترجمہ اردو ابو یحیٰی امام خاں نو شہروی) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۵۵ء

۱۸۔ پھلواروی، شاہ محمد جعفر۔ پیغمبر انسانیت۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ص ۱۰۱ تا ۱۰۴

۱۹۔ عبدالحی ابو سلیم محمد داعی اسلام کی حیات طیبہ۔ مکتبہ الحسنات رام پور (بھارت) ۱۹۵۶ء ۴۲،۴۳

۲۰۔ نعیم صدیقی۔ محسن انسانیت۔ اسلامک پبلی کیشنز۔ لاہور (ت طان) عرض ناشر (۱۹۶۳ء) ۱۳۷ تا ۱۴۰

۲۱۔ مودودی نعیم صدیقی مولانا سید ابو الاعلیٰ۔ سیرت سرور عالم ﷺ۔ ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور ۱۹۷۹ء

۲۲۔ ایضاً۔ج ۱۹۱ تا ۲۸۵

۲۳۔ پرویز۔ معراج انسانیت۔ ادارہ طلوع اسلام۔ لاہور ۱۹۶۸ء

۲۴۔ شبلی (سیرۃ النبی ج ۱) قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب پر پوری بحث کے لئے ملاحظہ ہو ص ۲۱۲ تا ۲۱۹

۲۵۔ ایضاً ۲۱۳

۲۶۔ ایضاً ۲۱۴

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً ۲۱۲

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ ایضاً ۲۱۳

۳۱۔ ایضاً ۲۱۵

۳۲۔ ایضاً ۲۱۶

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ ایضاً ۲۱۷

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ ایضاً ۲۱۹۔ مخالفت قریش کے سلسلے میں حضرت مولانا شبلی علیہ الرحمہ کے تقریباً ایک صدی گزرنے کے بعد تاریخ اپنے آپ کو یوں دہرا رہی ہے کہ بقیۃ السلف ''ندوی وسلیمانی نسبت رکھنے والے، عہد حاضر کے عالم ومحقق پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی (خلف الرشید مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ) نے بھی اسے موضوع سخن بنایا ہے، اور اپنے والد بزرگوار کی طرح خطبات مدراس کی یاد تازہ کرتے ہوئے جامعہ اشرفیہ لاہور میں سیرت النبی □ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبات سیرت ارشاد فرمائے (از ۳/ اکتوبر تا ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۱ھ جامعہ اشرفیہ لاہور) جو ۱۴۲۲ھ میں کتابی صورت میں شائع ہو گئے ہیں، اور ہمارے سامنے ہیں۔ چنانچہ قریش کی طرف سے شدید مزاحمت کی وجوہات (بشمول نبی صلی اللہ □ کے سفر طائف) پر گفتگو کرتے ہوئے (خطبہ سوم مطبوعہ میں) دوسرے متعدد نکات کی وضاحت کے بعد مخالفین کی مخالفت کے اسباب سے (۶۴ تا ۶۹) جو بحث کی ہے وہ (حسن اتفاق سے) الفاظ وانداز بیان کی معمولی تبدیلی کے ساتھ کم وبیش وہی کچھ ہے جو مولانا شبلیؒ سیرۃ النبی ﷺ میں لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ (۱) پہلا سبب بہت ہی عام قسم کا ہے اور سمجھنے کی چیز ہے، اور وہ یہ کہ جس جگہ جو بھی مذہبی عقیدہ یا رسم گھر کر

o\Alsera

جائے جب آپ اس کے خلاف دعوت دیں گے تو آپ کے خلاف ہنگامہ ہوگا اور ان کا جواب یہی ہو گا کہ ہم نے اپنے آبا و اجداد کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے (ص۶۴ تا ۶۵) دوسرا سبب یہ کہ ''مکہ مکرمہ کی مذہبی شکل بھی بگڑ چکی تھی مثلاً یہ کہ مشرکین حج کرتے تھے اور قرآن کہتا ہے کہ ان کے حج کی رسومات یہ تھیں تالیاں بجانا، گانے گانا اور ڈھول بجانا وغیرہ۔ اب جب رسول اللہ ﷺ ان پر تنقید کرتے تو وہ کہتے کہ یہ تو ہمارے مذہبی عقائد اور رسم و رواج پر حملہ کر رہے ہیں یہ تو قابل قبول نہیں (ص۶۵) (۳) تیسرا سبب۔ ''اسی طرح حضور ﷺ اخلاقی اور سماجی برائیوں مثلاً زنا، شراب، اور جھوٹ، وغیرہ پر بھی تنقید فرماتے تھے'' (ص۶۶ تا ۶۷) تو جب ان مشرکین مکہ پر تنقید ہوتی تھی، ان میں اسلام کے خلاف مزید شدت پیدا ہو جاتی تھی (ص۶۷) (۴) چوتھا سبب ''عیسائیت سے نفرت تھا، جوان کو ابرہہ کے واقعے سے ہوئی (۶۷) اور وہ یہی سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ نعوذباللہ کسی نہ کسی حیثیت میں یہاں عیسائیت قبول کرانا چاہتے ہیں، (۶۷) (۵) پانچواں سبب اس سے بھی اہم یہ تھا کہ ''خانہ کعبہ کی تولیت ان کے پاس تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے حضور ﷺ کو رسول اللہ مان کر اسلام قبول کرلیا تو خانہ کعبہ کی تولیت ان کے ہاتھ سے نکل کر حضور ﷺ کے ہاتھ میں چلی جائے گی (۶۸) پھر اقتصادی قیادت کے ہاتھ سے جانے کا خطرہ بھی تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کسی کے پیٹ پر لات ماریں گے تو وہ آپ کے خلاف ہو جائے گا، اور جنگ ہوگی۔ اور خانہ کعبہ ہی سے ان کے پیٹ بندھے ہوئے تھے (ص۶۸) (۶)'' کچھ لوگوں نے (؟) ایک اور سبب ذکر کیا ہے اگرچہ میں اس کا بہت زیادہ قائل نہیں ہوں اور وہ یہ کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم میں بہت زیادہ چشمک پائی جاتی تھی (۶۸)

۴۰۔ سیرۃ ابن اسحاق (۱۸۶

۴۱۔ ڈاکٹر نثین مظہر صدیقی (مقالہ) عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت۔ نقوش لاہور۔ رسول نمبر۔ ج ۵، ص۴۲۴

۴۲۔ ایضاً ۴۰۸

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ حضور ﷺ خود افصح العرب والعجم تھے، اور یہ آپ کے معجزات و خصائص میں داخل ہے کہ حدیث قدسی کے مطابق (**عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی انبیاء بست اعطیت جوامع الکلم**) صحیح مسلم وزرقانی علی المواھب وغیرہ

۴۵۔ النجم: آیت ۳،۴

۴۶۔ القلم: آیت ۴

۴۷۔ الانفال: آیت ۴۲

۴۸۔ التوبہ: آیت ۱۲۸

o\Alsera

۴۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: نعیم صدیقی۔ محسن انسانیت، ص ۱۵۱ تا ۲۱۰

۵۰۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: مولانا مودودی۔ سیرت سرورعالم ج ۲۔ ص ۵۲۷ تا ۶۰۳

۵۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت اور بعثت تمام انسانوں کے لئے کافۃ للناس۔ سبا: ۲۸۔ للعالمین نذیرا۔ فرقان: ا رحمۃ للعالمین۔ انبیا: ۱۰۷) تھی۔ اور آپ کا پیغام حیات آفرین ہر اعتبار سے عالمگیر نوعیت رکھتا ہے، جس کی تائید قرآن وحدیث کے علاوہ ٹھوس تاریخی واقعات وحقائق سے بھی ہوتی ہے۔ نیز آغاز دعوت سے ہی آپ صلی اللہ علی وسلم نے جو انداز واطوار اپنائے اور جو تخاطب اختیار فرمایا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دعوت اسلام اپنی نوعیت وحقیقت میں مقامی یا محدود نہ تھی۔

۵۲۔ الانعام: آیت ۹۲

۵۳۔ قدیم وجدید مصنفین جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا اشاعت اسلام کے بیان اور مخالفت قریش کے جائزے میں یہ عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دعوت نبوی □ کا اثر قریش کی حضری وبدوی آبادی، مکہ کے اندر اور اس کے مضافات میں آباد، یعنی قریشی البطاع اور قریش الظواہر ان کے غلاموں، حلیفوں، او رموالی سب پر پڑا تھا۔ چنانچہ اکثر وبیشتر مولفین کے بیانات یک طرفہ ہوتے ہیں اور نتائج کی بنیاد قریش البطائح، کے (ناقص ونامکمل) جائزے پر استوار کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اشاعت اور مخالفت دونوں کے بیان میں ان کا تجزیہ حقیقت پسندانہ نہیں ہوتا اور یہ نقص کی بالاخر نتائج فکر وبحث کو بھی متاثر کرتی ہے۔

۵۴۔ بعثت نبویؐ کی نوعیت وحیثیت کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں کہ ”آنحضرت □ پر چونکہ تمام عالم کی ہدایت ورہنمائی اور تمام مخلوق پر اتمام حجت کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا، اس وجہ سے اللہ تعالی نے آپ کو دو بعثوں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایک بعثت خاص اور دوسری بعثت عام۔ آپ کی بعثت خاص اہل عرب کی طرف تھی اور اہل عرب ساتھ اس خاص نسبت کی وجہ سے آپ کو نبی امی یا نبی عربی کہا گیا اور آپ پر جو وحی نازل ہوئی اس کی زبان عربی ہوئی ...... (جبکہ) آپ کی بعثت عام تمام دنیا کی طرف ہے“ (دیکھئے اصلاحی مولانا امین احسن۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی لاہور ۱۹۵۸ء، ص ۳۵ و ۳۶ ملخصاً) روایات کے مطابق قبیلہ ہمدان والوں کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت فرمایا تھا کہ انی رسول اللہ الیکم خاصة والی الناس عامة (ابن کثیر الکامل ج ۱، ۸۵۸)

۵۵۔ دیکھئے ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی۔ نقوش لاہور۔ رسول نمبر ج ۵، ص ۴۴۴

۵۶۔ اشرف: العلو والمکان العالی وجبل مشرف۔ شریف، شرفا، اشراف (الرازی۔ مختار الصحاح۔ مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۰ء۔ ص ۳۵۸)

۵۷۔ قرآن نے قوم کے سرداروں صاحبان مال وجاہ، اور سربر آوردہ لوگوں کے لئے ”الملاء“ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اور جہاں جہاں استعمال کی ہے وہاں ان کے اقوال وافعال کی نشاندہی

کرکے انبیاء ورسل کے مقابلے میں ان کے کبر وغرور، سرکشی وتمرد، انکار وتکذیب، بدباطنی، کونمایاں کیا ہے، مثلاً اعراف:۶۰ کے مطابق اپنے تئیں غلطی فہمی کا شکار اور داعئ حق کے بارے میں گمراہی کا خیال۔ اعراف (۶۶) خود بے عقلی میں مبتلا لیکن رسول کے بارے میں گمان کہ جھوٹے ہیں۔ اعراف:۸۸ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا رہنے والے **الذین استکبروا**۔ اعراف:۹۰۔ منکر کافر لوگ (**الذین کفروا**) جو رسول (حضرت شعیبؑ) کی جانب سے ایمان داری کی تلقین پر تجارت کے ڈوب جانے کی غلط فہمی رکھتے تھے۔ اعراف:۱۰۹ کے مطابق قوم فرعون کے سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماہر جادوگر سمجھتے تھے۔ یہی مضمون الشعراء:۳۴ کا ہے۔ ہود:۲۷ میں قوم کے سردار انکار حق کی روش پر قائم تھے۔ ھود:۳۸ کی رو سے رسول خدا کا مذاق اڑانے والے سردار۔ قصص:۳۰ بے جا مقاصد کے لئے باہم صلاح ومشورہ کرنے والے بدنیت لوگ۔ مومنون:۲۴ و۳۶ کی رو سے **الذین کفروا** (منکرین حق) اور رسول کو اپنے جیسا بشر سمجھنے والے، نیز تکبر کرنے والے اور سرکش لوگ، امام راغب اصفہانی نے المفردات میں لکھا ہے کہ ملاء۔ **الملاء جماعة یجتمعون علیٰ رأی فیملئون العیون رواء منظر النفوس بهاء جلالا** (وہ جماعت جو کسی امر پر مجتمع ہو۔ نظروں کو ظاہری حسن وجمال اور نفوس کو ہیبت وجلال سے بھردے) پھر قرآنی آیات کا حوالہ دے کر آگے لکھا ہے کہ محاورہ ہے **فلان ملء العیون** (یعنی سب اسے عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں) ملاحظہ ہو راغب اصفہانی (المفردات فی غریب القرآن۔ مصطفیٰ البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۶۱۔ ص ۴۷۳۔

۵۸۔ اصلاحی۔ امین احسن/ص ۵۳

۵۹۔ ایضاً/ص ۵۴

۶۰۔ ایضاً/ص ۵۵

۶۱۔ چنانچہ ملاحظہ ہو: اعراف (۶۰، ۶۶، ۶۸، ۸۸، ۹۰، ۱۰۹)، ہود (۲۷، ۳۸)، الشعراء (۳۴)، قصص (۳۰)، مومنون (۲۴) وغیرہ

۶۲۔ چنانچہ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ قریش کے وہ تمام سربرآوردہ لوگ جو ابتدائی کی عہد تبلیغ میں اسلام کے سخت مخالف اور عداوت ومخالفت میں بہت جری اور بےباک تھے۔ ان میں سے ایک تعداد تو وہ تھی جو اپنی شامت اعمال سے بدر واحد اور دوسری جنگوں میں انجام بد کو پہنچی، لیکن ان کے علاوہ اشراف رؤسائے قریش میں سے اکثر جلد یا بہ دیر ٹوٹ کر آغوش اسلام میں آگرے، یہاں تک کہ فتح مکہ تک ان میں سے خاص وعام کوئی نہ بچا جو اسلام کے سایۂ عاطفت میں نہ آگیا ہو۔ بہرحال ابتدائے اسلام کے مخالفین میں سے معروف ترین مثال خود حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، جو قبول اسلام کی پاداش میں اپنی لونڈی لطیفہ (عامر بن فہیرہ کی بہن) کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تھے۔ یہی عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو تلوار سونت کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھکانے لگانے کے ارادے سے نکلے تھے، پھر راستے میں بہن بہنوئی کی خبر لیتے لیتے، خود ایسے بےخبر ہوئے

دامان رسالت پناہ میں آپہنچے۔ جب کہ زمانہ مابعد کی مثالوں میں حضرت خالد بن ولید المخزومی بھی رفتہ رفتہ ٹوٹتے رہے، یہاں تک کہ فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام کی چھاؤں میں آگئے۔ اسلام کی سچائی بہت پہلے سے ان کے قلب میں ان کا پیچھا کئے ہوئے تھی۔ اسلام کے بعد انہوں نے اپنے بارے میں بتایا کہ میرے دل میں بہت پہلے یہ بات پڑ چکی تھی کہ حق قریش کی طرف نہیں بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہے، اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جانا چاہئے۔ **قد شهدت هذه المواطن كلها على محمد صلى الله عليه وسلم فليس فى موطن اشهده الا انصرف و انا ارى فى نفسى انى موضع فى غير شئ** (میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمام جنگوں میں شریک رہا مگر کوئی جنگ ایسی نہیں جس میں میں شریک ہوا ہوں اور یہ خیال لے کر واپس نہ آیا ہوں کہ میں صحیح جگہ نہیں کھڑا ہوں) دیکھئے وحید الدین خاں/ص۱۲۵ بحوالہ البدایہ والنہایہ/ج ۴

۶۳۔ مولانا اصلاحی کے بقول 'حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی دعوت کی ترتیب نہیں بدلتے اور عامۃ الناس کو اس وقت تک براہ راست مخاطب نہیں کرتے جب تک وقت کے کارفرما عناصر اور لیڈر حضرات اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے ان کو مایوس نہ کردیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنی بعثت کے بعد برابر علمائے یہود کے جمود پر ضربیں لگاتے رہے۔ لیکن ایک عرصے کی جد وجہد کے بعد بھی جب ان کے کبر وغرور اور پندار سیادت کی چٹان نہ ٹوٹی تو ان کو چھوڑ کر جھیل کے کنارے ماہی گیروں کے پاس چلے گئے اور ان کو دعوت دی۔ (اصلاحی۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار/ص۵۵، ۵۶۔ نیز طبقۂ اشراف کو پہلے مخاطب کرنے کی وجوہ کے لئے دیکھئے/ص۶۰ تا ۷۲)

۶۴۔ **عن جابر رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثلى و مثلكم كمثل رجل اوقد نارا فجعل الجنادب و الفراش يقعن فيها و هو يذبهن عنها و انا آخذ بحجزكم عن النار وانتم تفلتون من يدى** النووی۔ ریاض الصالحین/ دار الارشاد بیروت، ۱۹۶۷ء/ص۵۹۔ نیز دیکھئے صحیح المسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، ٹڈے اور پتنگے آ آ کر گرنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (آگ میں گرنے سے) روکتے ہیں اور میں تمہاری کمر تھامے ہوئے ہوں وہ بھی اس طرح کہ آگ میں گرنے سے بچ سکو اور تم ہو کہ میرے ہاتھوں سے نکلے جاتے ہو

۶۵۔ مولانا شبلی (سیرۃ النبی/ ج۱، ص۲۰۹) ۔ مولانا اس سے پہلے (ص۲۰۷ پر) یہ لکھ چکے تھے کہ حضرت ابوبکر دولت مند ماہر انساب، صاحب الرائے اور فیاض تھے۔ مکہ میں ان کا عام اثر تھا اور معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے۔

۶۶۔ دانا پوری۔ اصح السیر/ص۶۹۔ فہرست سابقون الاولون۔ (ص۵۹ تا ۶۹) ۵۲ حضرات

۶۷۔ یہاں ترمذی (مطبوعہ رشیدیہ دہلی/ ج۲) کی اس حدیث سے غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ بدء الاسلام

غریباً و سیعود غریباً (اسلام کا آغاز غرابت واجنبیت کے عالم میں ہوا اور پھر گویا اجنبی بن جائے گا)۔

۶۸۔ مولانا وحیدالدین خاں نے اپنی کتاب پیغمبر انقلاب میں "پیغمبرانہ طریق کار" کی وضاحت کرتے ہوئے یہ درست لکھا ہے کہ آپ کی بعثت ہوئی تو آپ □ کے گرد وپیش تمام حالات پوری شدت کے ساتھ موجود تھے جو عام طور پر سیاسی، معاشی، اور سماجی تحریکوں کی بنیاد ہوا کرتے ہیں۔ مگر آپ □ نے ان میں سے کسی کو بھی دعوت کا عنوان نہیں بنایا (ص۱۰۶) چنانچہ مثلاً آگے لکھتے ہیں: قیادت کے معروف تصور کا تقاضا تھا کہ آپ □ کے پڑوسی حکومتوں کی استعماری سیاست کے خلاف ایک جوابی سیاسی تحریک اٹھائیں اور وطن کو بیرونی اثرات سے پاک کرنے کے لئے لوگوں کے قومی جذبات کو بیدار کریں (۱۰۷) مگر آپ □ نے ایسا نہیں کیا۔ وہ مزید رقم طراز ہیں: عرب دنیا غیر ذی زرعہ ہونے کی وجہ سے معاشیات کی بنیاد سے یکسر محروم تھی، وہ اس ریگستانی علاقے کے ایک ایک شخص کا مسئلہ تھا، اور نہایت آسانی سے ایک انقلابی تحریک کا عنوان بن سکتا تھا (ص۱۰۷) مگر آپ □ نے اس قسم کے مسائل کی طرف کوئی براہ راست توجہ نہ دی بلکہ اپنے آپ کو تمام تر کلمہ توحید کی تبلیغ کے لئے وقف کردیا۔ (ایضاً/ص۱۰۷)

۶۹۔ یہ مختصر فہرست بجائے خود بتا رہی ہے کہ یہ کس پائے کے لوگ ہیں۔ یہ صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ جماعت پورے قریش کی نمائندہ ہے۔ اس میں قریش البطائح کے بھی تمام خاندانوں اور ان کی شاخوں اور حلیفوں (بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو عبد شمس، بنو امیہ، بنو عبدالعزیٰ، بنو زہرہ، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو عبد الدار، بنو سہم، بنو جمح، بنو تیم، بنو اسد، اور بنو عبد قصیٰ) سے تعلق رکھنے والے بھی تھے اور قریش الظواہر کے (عامر بن لوئی اور بنو حارث بن فہر) بھی لوگ تھے اور خزاعہ کے بھی۔ مزید تفصیل اور فہرست کے لئے دیکھئے: سیرت ابن اسحاق، تحقیق تعلیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈوکیٹ، نقوش رسول نمبر، شمارہ نمبر ۱۳۰ (جنوری ۱۹۸۵ء)۔ خزاعہ بقول ایک مصنف "مکہ اور اس کے نواح کے قدیم باشندے تھے اور مدتوں وہ مکہ کی سیاست اور سماج پر چھائے رہے، جب قصیٰ بن کلاب کا عروج مکی سیاست میں ہوا تو خزاعہ کو مکہ چھوڑنا پڑا، وہ اس کے نواح میں جا بسے۔ عبدالمطلب بن ہاشم کے زمانے میں ان کے تعلقات پھر قریش خاص کر بنو ہاشم سے استوار ہو گئے تھے۔ (ڈاکٹر لیٰسین مظہر صدیقی۔ نقوش رسول نمبر/ ج۱۲، ص۱۸۶)۔

۷۰۔ ڈاکٹر لیٰسین مظہر صدیقی نے اپنے مقالے "خفیہ تبلیغ کے عہد کا تجزیہ" میں اہل ایمان کے نام اور متعلقہ تفصیلات کو پورے شرح وبسط سے بیان کردیا ہے۔ (نقوش شمارہ ۱۴۱، ص۴۲)

۷۱۔ دیکھئے: مولانا مودودی۔ سیرت سرور عالم/ ج۲، ص۱۵۵ تا ۱۶۱

۷۲ ابن سعد کے بیان میں کوئی صیغہ مجہول (یقال) نہیں پایا جاتا اور صاف لکھا ہے: **ام الفضل رضی الله عنها و كانت ام الفضل اول امرأة اسلمت بمكة بعد خديجة رضى الله عنها بنت**

خویلد (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ/ دار صادر، بیروت ۱۳۷۷ھ/ ج ۸، ص ۲۷۷

۷۳۔ یہ روایت بہت مشہور ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ۶ نبوی میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اور یہ بھی معروف ہے کہ حضرت عمر کے ایمان لانے سے مسلمانوں کی تعداد ۴۰ ہوگئی تھی ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ □ دار ارقم میں فروکش تھے اور جب کہ ہجرت حبشہ اول (رجب ۵ نبوی) اور ہجرت حبشہ دوم (۶ نبوی) واقع ہو چکی تھیں، اور یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے صرف تین دن بعد اسلام قبول کیا تھا ۔ اگر تین سالہ خفیہ عہد اور اس کے بعد قبول اسلام کی رفتار اور اہل ایمان کی کثرت کو دیکھا جائے تو یہ سب باتیں محل نظر قرار پاتی ہیں ۔ دیار بکری نے تاریخ الخمیس میں ذکر اسلام حمزہ کی بحث میں یہ روایت نقل کی ہے کہ وکان اسلام فی السنة الثانیة من المبعث (ج ۱، ص ۲۹۴) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضور کے دار ارقم میں قیام فرمانے کے بعد ۶ نبوی میں ایمان لائے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے ۔ بہر حال مختلف الروایہ احادیث میں توافق ممکن ہے جیسا کہ الذخائر العقبیٰ میں درج ہے (ایضاً) ۔ عہد حاضر کے ایک سیرت نگار پیر محمد کرم شاہ الازہری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی تاریخ پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن حجر اور دوسرے حوالوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "صحیح قول کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبوت کے دوسرے سال مشرف بہ اسلام ہوئے، جس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نبوت کے دوسرے سال ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے تھے ۔ (ضیاء النبی/ ج ۲، ص ۲۵۱ تا ۲۶۵) آثار وقرائن کے پیش نظر اسے بعید از قیاس نہیں کہا جا سکتا ۔

۷۴۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی، عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت/ نقوش رسول نمبر/ ج ۵، ص ۴۰۵

۷۵۔ مولانا شبلی (سیرۃ النبی/ ج ۱، ص ۲۰۹، ۲۱۰) پھر آگے لکھا ہے کہ اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا تو قریش کا غیظ وغضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار ومددگار نہ تھا، ان میں کچھ غلام اور کنیزیں تھیں، کچھ غریب الوطن تھے جو ایک دو پشت سے مکہ میں آ رہے تھے اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے ۔ (ایضاً/ ص ۲۲۳)

۷۶۔ ابن ہشام نے (ج ۱، ص ۳۳۹ تا ۳۴۲) ذکر عدوان المشرکین علی المستضعفین ممن اسلم کے تحت کل گیارہ حضرات وخواتین کو شمار کیا ہے جن میں ایک جاریہ بنی مؤمل بھی شامل ہیں ۔ جب کہ یعقوبی نے (تاریخ یعقوبی/ دار صادر بیروت/ ج ۲، ص ۲۸ پر) صرف آٹھ ضعفا کا ذکر کیا ہے ۔ جب کہ ابن اثیر نے (تاریخ الکامل بہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۸۷ء ج ۱، ص ۵۸۸ تا ۵۹۱) میں) ذکر تعذیب المستضعفین من المسلمین کے تحت تقریباً ۱۳ حضرات کو شمار کیا ہے، جن میں حضرت بلال، حمامہ، عمار، یاسر، سمیہ نیز خباب بن الارت، صہیب بن سنان اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے علاوہ لبیبہ نامی کا بنی مؤمل بن حبیب بن عدی بن کعب کی کنیز کی حیثیت سے اندراج کیا ہے

o\Alsera

،یعنی جسے ابن ہشام نے صرف جاریہ لکھا ہے، ابن اثیر نے اس کا نام بھی تحریر کردیا ہے۔ابن کثیر نے السیرۃ النبویہ/ دارالتراث العربی بیروت/ ج۱،ص۴۹۲تا ۴۹۴ میں گیارہ کا شمار کیا ہے اور دوسری جگہ الفصول فی سیرۃ الرسول/ مکتبہ دارالتراث،۱۴۰۳ھ میں مختصراً/ص۹۹،۱۰۰ پر صرف آٹھ کا نام لکھا ہے۔ جب کہ ابن حزم نے (جوامع السیرۃ/ دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور/ص۵۴،۵۵) گیارہ ضعفاء المسلمین کو شمار کیا ہے۔

۷۷۔ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی □ (۲۲۴ تا ۲۲۸) میں تیرہ خواتین وحضرات کو شمار کیا ہے۔ اور حضرت عمر کی کنیز کی حیثیت سے نام لبینہ (ص۲۲۷) لکھا ہے، ممکن ہے ابن ہشام نے جنھیں جاریہ بنی مومل لکھا ہے، ان کا اصل نام یہی ہو۔ یہ بات دونوں میں مشترک ہے (زمانہ کفر میں) حضرت عمر اپنی کنیز کو ترک اسلام پر مارتے مارتے تھک جاتے تھے، مگر وہ مومنہ ثابت قدم رہی، حضرت ابوبکر نے انہیں خرید کر آزاد کیا تھا۔ ابن اثیر نے بھی نام لبیبہ لکھا ہے (دیکھئے سیرت، ج۲،ص۹۸)

۷۸۔ جدید مصنفین میں سے پیر محمد اکرم شاہ الازہری مولف ضیاء النبی نے (ص۳۲۴ تا ۳۳۸) صرف نو حضرات کی ذکر فرمایا ہے اور ایک نام بطور کنیز لطیفہ کا لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ عامر بن فہیرہ کی بہن تھیں اور حضرت عمر کی لونڈی۔ ممکن ہے یہ وہی ہوں جسے ابن ہشام نے جاریہ بنی مومل لکھا ہے، اور جسے ابن الاثیر اور مولانا شبلی نے لبینہ قرار دیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے بقول حضرت عمر کی ایک اور لونڈی بھی تھی جو مسلمان ہوگئی تھی اور انہیں بھی حضرت عمر خوب مارتے تھے۔ (ص۳۳۲) اگر یہ لبینہ سے مختلف تھیں تو ضعفا کے شمار میں ایک عدد کا مزید اضافہ ہوجائے گا، مولانا مودودی کی اہم کتاب سیرت سرورعالم میں دو ایسے حضرات کے نام شامل ہیں، جن کا دوسری کتب سیرت میں بالکل ذکر نہیں، اور ماخذ میں بھی اس حیثیت سے مذکور نہیں۔ یہ دونوں حضرات (ج۲،ص۱۶۱) غیر قریشی تھے، یعنی حضرت محجن بن الادرع الاسلمی اور مسعود بن ربیعہ بن عمرو۔ علامہ ابن حزم نے الرسالۃ الثامیۃ، اسماء الصحابۃ والرواۃ (ملحق جوامع السیرۃ) میں حضرت محجن بن الادرع کو اصحاب خمسۃ میں شمار کیا ہے (ص۲۸۹) ابن سعد نے البتہ مسعود بن الربیع کے زیر عنوان یہ لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کے نزدیک یہ مسعود بن ربیعہ تھا۔ وہ حلیف بنی عبدمناف ابن زہرہ بن کلاب تھے۔ اور وہ حضور نبی اکرم □ کے دار ارقم میں قیام فرمانے سے پہلے دولت ایمان سے مالا مال ہوچکے تھے۔ (ابن سعد ج۳،ص۱۴۸) فہرست کے حصہ دوم میں حضرت ام ایمن برکہ اور حضرت زید بن حارثہ کو اس لئے جگہ دی گئی ہے کہ ان میں سے حضرت ام ایمن برکہ بنت ثعلبہ کو آزاد غلاموں / موالی میں شامل کیا ہے۔ لیکن عام کتابوں اور ماخذ میں ان کو شامل نہیں کیا گیا، حضرت ام ایمن والد محترم جناب عبداللہ کے انتقال کے بعد بطور ورثہ حضرت ختمی مرتبت کے حصے میں آئیں، اور آں جناب ؐ نے انہیں آزاد فرمادیا۔ انہوں نے بچپن سے ہی آنحضور کو گود میں پالا تھا۔ اور حضرت زید بن حارثہ کو حکیم بن حزام نے غلام کی حیثیت سے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پیش کیا اور نکاح کے بعد

انہوں نے حضرت زید کو حضور □ کی خدمت میں دے دیا۔ آنحضرت □ نے انہیں آزاد کر دیا مگر وہ دامن مصطفٰی سے اس طرح وابستہ رہے کہ اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جانا گوارا نہ کیا اور حتیٰ کہ زید بن محمد مشہور ہوئے۔ (مزید تفصیل اور حالات کے لئے دیکھئے ذکر خدم رسول اللہ □ ابن سعد ج۱،ص۴۹۷) حضرت زید بن حارثہ آزاد کردہ غلام کی حیثیت سے آنحضرت □ کے دست حق پرست پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہیں۔ طبری نے عروہ سے یہ روایت بھی کی ہے کہ اول من اسلم زید بن حارثة (طبری۔ تاریخ الامم والملوک، مطبعہ استقامہ، قاہرہ ۱۳۵۸ھ۔ ج۲ص۶۰) یعقوبی نے اول من اسلم میں گیارہ حضرات صحابہ کو شمار کیا ہے اور حضرت زید کو حضرت ابوبکر سے پہلے ایمان لانے والوں میں تیسرے نمبر پر رکھا ہے۔ (ج۲ص۲۳) اور جمال الحسینی نے اپنی کتاب روضہ الاحباب کی جلد اول میں حضرت زید کے ایمان کا مختصر بیان (ص۸۳) اور پھر جلد دوم کے مقصد دوم کی ایک فصل کے تحت مفصل بحث کی ہے۔ ضعفاء المسلمین کی عمومی فہرستوں میں ان دونوں صحابہ زید بن حارثہ اور ام ایمن کا ذکر موجود نہیں ہے۔

۷۹۔ ڈاکٹر لیسین مظہر صدیقی (خفیہ تبلیغ کے عہد کا تجزیہ) نقوش شمارہ ۱۴۱،ص۴۸

۸۰۔ مولانا مودودی نے حضرت ام ایمن برکہ بنت ثعلبہ کو ان غلاموں اور لونڈیوں کی فہرست میں پہلے نمبر پر شمار کیا ہے (ج۲ص۱۶۱) جنھوں نے خفیہ دعوت کے ان تین سالوں میں اسلام قبول کیا۔ ہم نے بھی اسی قبیل میں زید بن حارثہ کو بھی شامل کر دیا ہے کہ وہ تو بطور موالی اولین ایمان لانے والوں میں شامل تھے۔

۸۱۔ مزید تفصیلات اور حوالوں کے لئے دیکھئے: مودودی (ج۲،ص۳۴،۵۔۱۵۵) الازھری (جلد۲ص ۲۱۔۳۳۴۸)

۸۲۔ ابن ہشام کے مطابق ان ضعفا صحابہ میں سے کم از کم سات حضرات کو حضرت ابوبکر نے خرید کر آزاد فرمایا ۱۔ عامر بن فہیرہ ۲۔ ام عُبیس ۳۔ زنیرہ ۴) نھدیہ، (۵) جاریہ مؤمل (۶) اور بلال (۷) ج۱ (۳۴۰-۴۱) لیکن محقق ابن اسحاق، عبدالبر، اور ابن حجر وغیرہ نے جونام گنائے ہیں ان کو جمع کرنے سے ۱۹ افراد کی تعداد ہوتی ہے (حضرت بلال والدہ حمامہ، عامر، عامر بن فہیرہ، ابوفکیہ، لبینہ یا لبیبہ، نھدیہ اور ان کی بیٹی، زنیرہ اور ام عُبیس) (۸۳) حضرت ابوبکرؓ کو اس طرح غریب غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی پر روپیہ خرچ کرتے دیکھ کر ان کے والد ابو قحافہ نے جو اس وقت تک مشرک تھے، ان سے کہا کہ بیٹا تم ان کمزوروں کو (خواہ مخواہ) آزاد کرا رہے ہو، اگر مضبوط و تنومند جوانوں کی آزادی پر یہی روپیہ خرچ کرتے تو وہ تمہارے لئے قوت بازو بن جاتے۔ (ابن ہشام ج۱،ص ۳۴۱) حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ ابا جان میں محض خوشنودی رب کے لئے یہ کچھ کر رہا ہوں (اس میں ذاتی غرض شامل نہیں)

۸۳۔ سورۂ واللیل آیت ۵ تا ۷ میں ارشاد ہے "پھر جس نے راہ خدا میں اپنا مال لٹایا، اور اسی سے ڈرتا رہا،

Alsera

اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کردیں کے اس کے لئے آسان راہ" اور آگے فرمایا گیا (آیت ۱۷تا ۲۰) "جہنم کی اس آگ سے، دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار آدمی جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضاجوئی کے لئے یہ کررہا ہے"

۸۵۔ ہجرت حبشہ اول (رجب ۵ھ) اور دوم (۶ نبوی) کے مواقع پر بالترتیب ۱۵ اور ۸۳ حضرات صحابہ نے ہجرت فرمائی اور عام خیال کے مطابق ظلم وستم سے عافیت حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی اجازت دی گئی، لیکن بقول شبلی ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑا تھا یعنی حضرت بلالؓ عمارؓ یاسرؓ وغیرہ ان لوگوں کا نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نظر نہیں آتا۔ اس لئے یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا، یا کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔

دلم زجور تو آسودہ است وی نالم　　　　کہ غیرے نبرد لذت خدنگ را

(شبلی/ ج ۲ ص ۲۳۲)

۸۶۔ دیکھئے، واٹ: محمد ایٹ مکہ۔ (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی ۱۹۷۹ء) سرداران مخالفت اور ان کے عزائم (ص ۳۶-۱۳۳) یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابن اثیر نے شدید مخالفین ومستہزئین کی فہرست میں ابوجہل کو گیارہویں نمبر پر رکھا ہے (ابن الاثیر/ الکامل فی التاریخ۔ ج ۱ ص ۵۹۴ھ)

۸۷۔ تاریخ وسیر کے ابتدائی اور ثانوی ماخذ میں سے ابن اسحاق نے سیرت میں کھلے دشمنوں کے نام ۲۳ شمار کئے ہیں (۱۴۸) ابن ہشام نے "ذکر مالقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قومہ من الاذیٰ" کے تحت (ج ۱ ص ۳۸۰) جن موذین کی ایذا رسانیوں کو قلمبند کیا ہے ان میں ابولہب اور اس کی بیوی سمیت دس اشخاص کا نام ہے، تاہم دو نام ایسے ہیں جو دوسرے ماخذ میں مذکور نہیں۔ یعنی ۱۔ عبداللہ بن الزبعری السہمی اور (۲) الاخنس بن شریق (ص ۳۸ تا ۳۸۵) ابن سعد نے معروف مخالفین ومعاندین میں سے تئیس کو شمار کیا ہے (ج ۱ ص ۲۰۱ - ۲۰۰ ج) جس میں ایک نیا نام ابن الاصدی الھذلی بھی شامل ہے۔ ابن الحبیب البغدادی نے کتاب المحبر میں اعدائے خدا ورسول کی درجہ بندی کرکے المستہزؤن کے تحت پانچ اشخاص کی نشاندہی کی ہے، عاص بن وائل، الحارث بن قیس الکعبی، الاسود بن عبدالمطلب، اور الاسود بن عبدیغوث۔ المقتسمون (کے تحت ۱۷ افراد) اور زنادقہ قریش (کے تحت ۸) اشخاص کا شمار کیا ہے درجہ بندی میں کئی نام مشترک ہونے کی بنا پر مکرر آئے ہیں جو بیک وقت کئی حیثیتوں میں کردار خبیثہ ظاہر کررہے تھے، (مثلاً ولید بن المغیرہ اور نضر بن الحارث) دیکھئے محمد کتاب المحبر دائرۃ المعارف، عثمانیہ دکن (ص ۱۵۸) ابن حبیب کے یہاں ایک نیا نام (اوس بن معیر الخوانی معذورہ) مذکور ہے جبکہ ابن حزم نے جوامع السیرۃ میں انیس بن معیر بن لوذان تحریر کیا ہے (ص ۴) نیز اذیت وعداوت کے علم بردار کھلے دشمنوں کی طویل فہرست دی ہے جو ۳۰

o\Alsera

معاندین ومخالفین پرمبنی ہے۔ اسی طرح ابن اثیر نے فہرست دشمنان دعوت حق کے حصے میں شدید وخبیث سرداروں کے ناموں کے بعد کم عداوت کے رکھنے والوں میں ۵ (عتبہ، شیبہؓ وابوسفیان بن حارث، عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی اور ابوسفیان بن حرب) کو شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو الکامل ج ا ص ۵۹۶ ۔ ابن اثیر کے ہاں نیا نام رکانہ بن عبد یزید بن الحارث کا ہے جسے شدید دشمنوں میں شمار کیا ہے۔ (ایضا ۵۹۵) جبکہ بن کثیر نے عظماء المستھزئین کے عنوان سے صرف پانچ زعمائے قریش کے اندراج پر اکتفا کیا ہے۔ یعنی ا۔ الاسود بن عبد المطلب ۲۔ الاسود بن عبد یغوث ۳۔ الولید بن المغیرہ ۴۔ العاص بن وائل اور ۵۔ حارث بن الطلاطلہ۔ (السیرۃ ج ۲ ص ۸۶)

۸۸۔ ابن حزم ابن سعد نے عدوات رسول میں حد سے زیادہ بڑھ جانے والے لوگوں میں سے ابوجہل ابولہب ۲، عقبہ بن ابی معیط ۳ کو شمار کیا ہے (ج ا ص ۲۰۱) ابن اسحاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین کی مخاصمت کے باب میں ابوجہل کی طرف سے سجدۂ نماز کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر اوجھڑی رکھ دینے کے بعد اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہٹائے جانے کے واقعہ کے بعد حضور □ کی بد دعا نقل کی ہے۔ (ابن اسحاق/ ص ۳۴ تا ۲۲۳) الدیار بکری نے تاریخ الخمیس میں بطور خاص کفار ومشرکین کی طرف سے آنحضور کو پہنچنے والے مصائب وآلام کو ایک جگہ بیان کیا ہے۔ (ج ا، ص ۳۹۳) اور ایک ہی دن میں ان کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا زچ کیا گیا کہ رحمت عالم □ اللہ سے استغاثے پر مجبور ہو گئے کہ اے اللہ ان مشرکین سے تو ہی نمٹ سکتا ہے۔ **اللھم علیک بالملاء من قریش ، اللھم علیک بعتبة بن ربیعة ، اللھم علیک بشیبة بن ربیعة، اللھم علیک بابی جھل بن ھشام، اللھم علیک بعقبة بن ابی معیط، اللھم علیک بابی بن خلف او امیة بن خلف** ۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ یہ سب بدر کے دن قتل کئے گئے اور ایک کنواں (گڑھا) کھود کر اس میں ڈال دیئے گئے ۔ (دیکھئے: الامام الشیخ حسین الدیار البکری ۔ تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس/ مؤسسة شعبان، بیروت/ ج ا، ص ۳۹۳)۔

۸۹۔ ابن سعد/ ج ا، ص ۲۰۱

۹۰۔ ایضاً/ ص ۲۰۰۔

۹۱۔ دیکھئے کتاب المحبر / ص ۱۵۸ تا ۱۶۱ ۔ یہ درجہ بندی اور تقسیم بھی ایک طرح سے اضافی ہے۔ ورنہ حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور پیغام الٰہی سے بیر رکھنے میں کوئی کم نہیں تھا۔ موقع محل کے اعتبار سے دشمن کا رنگ ہلکا گہرا ہو جاتا تھا۔ ابن سید الناس کا یہ تبصرہ بالکل صحیح ہے: **کانوا اشد علی المومنین منارة بالاذی ومعھم سائر قریش فمنھم من یعذبون من لامنعه سر ولا جوار من قومه ومنھم من یوذون ولقی المسلمون من کفار قریش و حلفائھم من الاذی و العذاب و البلاء عظیما ورزقھم اللہ من الصبر علیٰ ذالک عظیم، لیدخر لھم ذالک**

Alsera

فی الآخرة و یرفع به درجاتهم فی الجنة والاسلام فی کل ذالک یفشوا فی ذالک و یظهر فی الرجال و النساء (ابن سید الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل و السیر/ دار الفکر/ ج۱، ص۱۱۱)۔

۹۲۔ ابن اسحاق نے نام سائب بن صفی بن عابد (۱۴۸) یہی نام ابن سعد نے سائب بن صفی بن عابد (ج۱، ص۲۰۱) تحریر کیا ہے جب کہ ابن حبیب البغدادی نے صیفی بن العائب لکھا ہے (ص۱۶۰) اس کی متابعت میں ابن حزم نے صیفی بن العائب (ص۵۴) نقل کیا ہے، نیز ابن سید الناس نے (ج۱، ص۱۱۱) اپنی فہرست میں ص۲۳ پر صیفی بن العائب ہی نقل کیا ہے۔

۹۳۔ ابن حبیب بغدادی کے یہاں یہ نام اوس بن معیر الخوابی محذورہ (ص۱۶۰، ۱۶۱) ہے جب کہ ابن حزم کے مطابق انیس بن معیر بن لوذان (ص۵۴) اور ابن سید الناس کے یہاں انیس بن معیر اخا ابی محذورہ (ج۱، ص۱۱۱) لکھا گیا ہے۔

۹۴۔ ابن الحبیب بغدادی کے ہاں نام الحارث بن قیس الکلبی ہے (ص۱۵۹) جب کہ ابن اثیر نے الحارث بن قیس بن عدی تحریر کیا ہے (ج۲، ص۱۰۰) اور ابن حزم نے حارث بن عدی لکھا ہے (ص۵۴)۔

۹۵۔ ابن الاثیر کے بقول یہ مالک بن الطلاطلہ بن عمرو بن غبشان ہے (ص۱۱۰) ابن حزم کے ہاں نام حارث بن الطلاطلہ الخزاعی ہے (ص۵۴) جب کہ ابن کثیر نے بھی حارث بن الطلاطلہ لکھا ہے (ج۲، ص۸۶)۔

۹۶۔ النضر بن الحارث کو ابن سعد نے اہل العداوۃ میں ایسے لوگوں میں شمار کیا ہے جو دشمنی میں بہت آگے تھے۔ (ج۱، ص۲۰۱) ابن ہشام کے مطابق وہ شیاطین قریش میں سے اور ان لوگوں میں سے تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتے تھے (ج۱، ص۳۲۱) ابن حبیب بغدادی نے اس کو المستھزون اور زنادقہ قریش دونوں میں شمار کیا ہے (ص۱۶۰، ۱۶۱) یہ وہی تھا جو خانہ کعبہ میں تلاوت قرآن اور امم سابقہ کے تذکروں کے جواب میں رستم وسہراب، اسفندیار وملوک فارس کے قصے لوگوں کو سناتا تھا، اور کہتا تھا کہ دیکھو میرے قصے کہانیاں زیادہ عجیب و دلچسپ ہیں اور وہ ہاشمی ومطلبی تو کسی کا لکھا لکھایا پڑھ کر سناتا ہے اور وہ تو ''اساطیر الاولین'' ہے۔ اسی کے بارے میں قرآن نے **وقالوا اساطیر الاولین** کہہ کر اشارہ کیا اور وہ اس کے بارے میں آیات **آیات ویل لکل افاک اثیم یسمع آیات اللہ تتلی علیہ ثم یصر مستکبرا کان لم یسمعھا**...... نازل ہوئیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: ابن ہشام/ ج۱، ص۳۸۳، ۳۸۴)

۹۷۔ اگر ابن اسحاق کی فہرست اعدائے اسلام میں شامل ابن الاصدی الہذلی کو بھی شمار کر لیا جائے جسے ابن سعد نے بھی نقل کیا ہے (ج۱، ص۲۰۱) تو معاندین ومخالفین اسلام کی تعداد پیالیس تک پہنچ جاتی ہے، اور اس میں قریش کے حضری وبدوی قبائل کی نمائندگی بھی مکمل ہو جاتی ہے۔

۹۸۔ واٹ، محمد ایٹ مکہ (ص۹۳) نیز ارتقائے مخالفت کے باب میں دیکھئے: ص۱۳۲